غرائب القرآن

حضرت علامہ الحاج محمد مصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہ

ٹی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور

غرائبُ القرآن

حضرت علامہ الحاج عبد المصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہ

ملنے کا پتہ

فرید بُک سٹال
۴۰ اردو بازار لاہور۲

بنے رہے (آمین)

ناظرین کرام سے ملتجیانہ گزارش ہے کہ وہ میری مکمل صحت وعافیت کے لیے دعائیں کرتے رہیں۔ تاکہ میں صحت مند ہو کر آخری حیات تک درس حدیث شریف و مواعظ و تصنیفات کا کام جاری رکھ سکوں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

گھوسی - ۲۳ رمضان ۱۴۰۲ھ

فہرست مضامین

۷۸۶

حمد

تیرے در پر اے کریم ذوالجلال
کر رہا ہوں ہاتھ پھیلائے سوال

سر ہے اور سجدہ ترا اے بے نیاز
بندۂ عاجز کو کر دے سرفراز

قادر و قیوم ، اے عاجز نواز
ہم غریبوں کا ہے تو ہی کارساز

چشم و دل کو، دے وہ نور ذوالجلال
ہر طرف آئے نظر تیرا جمال

از طفیلِ مصطفٰے و مرتضٰے
مجھ کو اب ہے تجھ سے تیری التجا

نعت

فخرِ کون و مکاں پیشوائے انام
آپ کی ذات والا پہ لاکھوں سلام

افضل العالمین ، واجب الاحترام
آپ کی ذات والا پہ لاکھوں سلام

جنّ و انس و ملک آپ کے سب غلام
آپ کی ذات والا پہ لاکھوں سلام

مصلحِ زندگی آپ کا ہر پیام
آپ کی ذات والا پہ لاکھوں سلام

آپ کا دو جہاں سے ہے بالا مقام
آپ کی ذاتِ والا پہ لاکھوں سلام

حسن راشدی کی تحریف
منسکی نہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مُبَسْمِلاً وَّمُحَمِّدًا وَّمُصَلِّیًا

(۱) تخلیق آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام کے نہ ماں ہیں نہ باپ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انکو مٹی سے بنایا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب خداوند قدوس نے آپ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین سے ایک مٹھی مٹی لائیں۔ حکم خداوندی کے مطابق حضرت عزرائیل علیہ السلام نے آسمان سے اتر کر زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی تو پوری روئے زمین کی اوپری پرت چھلکے کے مانند اتر کر آپ کی مٹھی میں آگئی، جس میں ساٹھ رنگوں اور مختلف کیفیتوں والی مٹیاں تھیں۔ یعنی سفید و سیاہ اور سرخ و زرد رنگوں والی اور نرم و سخت، شیریں و تلخ، نمکین و پھیکی وغیرہ کیفیتوں والی مٹیاں شامل تھیں (خازن ج ۱ ص ۴۶ و جمل ج ۱ ص ۳۹)

پھر اس مٹی کو مختلف پانیوں سے گوندھنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ایک مدت کے بعد یہ چپکنے والی بن گئی پھر ایک مدت تک یہ گوندھی گئی تو کیچڑ کی طرح بودار گارا بن گئی۔ پھر یہ خشک ہو کر کھنکھناتی اور بجتی ہوئی مٹی بن گئی۔ پھر اس مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر جنت کے دروازے پر رکھ دیا گیا جس کو دیکھ دیکھ کر فرشتوں کی جماعت تعجب کرتی تھی۔ کیونکہ فرشتوں نے ایسی شکل و صورت کی کوئی مخلوق کبھی دیکھی ہی نہیں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پتلے میں روح کو داخل ہونے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ روح داخل ہو کر جب آپ کے نتھنوں میں پہنچی تو آپ کو چھینک آئی۔ اور جب روح زبان تک پہنچ گئی، تو

اور مصلحتیں ہیں ان کو میں ہی جانتا ہوں، تم گروہ ملائکہ ان حکمتوں اور مصلحتوں کو نہیں جانتے۔

فرشتے باری تعالیٰ کے اس ارشاد کو سن کر اگرچہ خاموش ہو گئے مگر انھوں نے اپنے دل میں یہ خیال چھپائے رکھا کہ اللہ تعالیٰ خواہ کسی کو بھی اپنا خلیفہ بنا دے مگر وہ فضل و کمال میں ہم فرشتوں سے بڑھ کر نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم ملائکہ فضیلت کی جس منزل پر ہیں وہاں تک کسی مخلوق کی بھی رسائی نہ ہو سکے گی۔ اس لیے فضیلت کے تاجدار بہر حال ہم فرشتوں کی جماعت ہی رہے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر تمام چھوٹی بڑی چیزوں کا علم ان کو عطا فرما دیا اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کا حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

"اللہ تعالیٰ" اے فرشتو! اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ تم سے افضل کوئی دوسری مخلوق نہیں ہو سکتی تو تم تمام ان چیزوں کے نام بتاؤ جن کو میں نے تمھارے پیش نظر کر دیا ہے۔

"ملائکہ" اے اللہ تعالیٰ! تو ہر نقص و عیب سے پاک ہے ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جو تو نے ہمیں عطا فرما دیا ہے اس کے سوا ہمیں اور کسی چیز کا کوئی علم نہیں ہے ہم بالیقین یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ بلاشبہ علم و حکمت کا خالق و مالک تو صرف تو ہی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے آدم (علیہ السلام) تم ان فرشتوں کو تمام چیزوں کے نام بتا دو۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے تمام

اشیاء کے نام اور ان کی حکمتوں کا علم فرشتوں کو بتا دیا جس کو سن کر فرشتے متعجب و محو حیرت ہو گئے۔

"اللہ تعالیٰ" اے فرشتو! کیا میں نے تم سے یہ نہیں فرما دیا تھا کہ میں آسمان و زمین کی چھپی ہوئی تمام چیزوں کو جانتا ہوں اور تم جو علانیہ یہ کہتے تھے کہ آدم (علیہ السلام) فساد برپا کریں گے اس کو بھی میں جانتا ہوں اور تم جو خیالات اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے کہ کوئی مخلوق تم سے بڑھ کر افضل نہیں پیدا ہوگی۔ میں تمہارے دلوں میں چھپے ہوئے ان خیالات کو بھی جانتا ہوں۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کے فضل و کمال کے اظہار و اعلان کے لیے اور فرشتوں سے ان کی عظمت و فضیلت کا اعتراف کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں کو حکم فرمایا کہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو چنانچہ سب فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا اور تکبر کیا تو کافر ہو کر مردود بارگاہ ہو گیا۔

اس پورے مضمون کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ طرز بیان میں اس طرح ذکر فرمایا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ	اور یاد کرو جب کہ تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا کہ خداوندا! کیا تو زمین میں اسکو بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے گا اور خونریزی کرے گا اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم تیری حمد کی تسبیح

لَكَ ط قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ہ وَ
عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ
كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ
عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ
اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ
هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِیْنَ ہ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ
لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا
عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ
الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ہ
قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ
بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ
بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ
لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ
مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ہ
وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ
وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ہ
(بقرہ ۔ رکوع ۴)

پڑھتے اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں
تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جو کچھ جانتا
ہوں تم کو ان باتوں کا علم نہیں ہے اور
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو
تمام چیزوں کا نام بتا دیا پھر ان چیزوں
کو فرشتوں کے روبرو پیش کر کے فرمایا
کہ اے فرشتو! اگر تم اپنے اس دعویٰ
میں سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ
تو فرشتوں نے عرض کیا کہ اے اللہ! تو
تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے ہمیں
تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں
علم دیا ہے۔ بلا شبہ علم و حکمت والا تو
صرف تو ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ
اے آدم! تم ان فرشتوں کو ان چیزوں کے
نام بتا دو تو حضرت آدم (علیہ السلام) نے
ان فرشتوں کو ان چیزوں کا نام بتا دیا تو
اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے
فرمایا کہ کیا میں نے تم سبھوں سے یہ نہیں
فرما دیا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی
تمام چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہوں اور یاد کرو
جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم سب آدم
(علیہ السلام) کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا مگر
ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافر ہو گیا

ان آیات کریمہ سے مندرجہ ذیل ہدایت کے اسباق ملتے ہیں۔

درس ہدایت

(۱) اللہ تعالیٰ کی شان فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے یعنی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کوئی اس کے ارادہ میں دخل انداز ہو سکتا ہے نہ کسی کی مجال ہے کہ اس کے کسی کام میں چون وچرا کر سکے۔ مگر اس کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق وخلافت کے بارے میں خداوند قدوس نے ملائکہ کی جماعت سے مشورہ فرمایا۔ اس میں یہ ہدایت کا سبق ہے کہ باری تعالیٰ جو سب سے زیادہ علم وقدرت والا ہے اور فاعل مختار ہے جب وہ اپنے ملائکہ سے مشورہ فرماتا ہے تو بندے جن کا علم اور اقتدار واختیار بہت ہی کم ہے تو انھیں بھی چاہیے کہ وہ جب کسی کام کا ارادہ کریں تو اپنے مخلص دوستوں، اور صاحبانِ عقل ہمدردوں سے اپنے کام کے بارے میں مشورہ کر لیا کریں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا مقدس دستور ہے۔

(۲) فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ کہا کہ وہ فسادی اور خوں ریز ہیں۔ لہٰذا ان کو خلافتِ الٰہیہ سے سرفراز کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ہم فرشتوں کو خلافت کا شرف بخشا جائے۔ کیونکہ ہم ملائکہ خدا کی تسبیح وتقدیس اور اس کی حمد وثنا کو اپنا شعارِ زندگی بنائے ہوئے ہیں لہٰذا ہم ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ خلافت کے مستحق اور حقدار ہیں۔

فرشتوں نے اپنی یہ رائے اس بنا پر دی تھی کہ انھوں نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھ لیا کہ پیدا ہونے والے خلیفہ میں تین قوتیں باری تعالیٰ ودیعت فرمائے گا ایک قوتِ شہویہ، دوسری قوتِ غضبیہ، تیسری قوتِ عقلیہ اور چونکہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ ان دونوں سے لوٹ مار اور قتل وغارت وغیرہ قسم قسم کے فسادات رونما ہوں گے۔ اس لیے فرشتوں نے باری تعالیٰ کے جواب میں یہ عرض کیا، کہ اے خداوند تعالیٰ! کیا تو ایسی مخلوق کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمائے گا۔ جو زمین میں قسم قسم کے فساد برپا کرے گا اور قتل وغارت گری سے زمین میں خونریزی کا

طوفان لائے گا۔ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ تو ہم فرشتوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ بنا دے۔ کیونکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح پڑھتے ہیں اور تیری تقدیس اور پاکی کا چرچا کرتے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر فرشتوں کو خاموش کر دیا کہ میں جس مخلوق کو خلیفہ بنا رہا ہوں اس میں جو جو مصلحتیں اور جیسی جیسی حکمتیں ہیں ان کو بس میں ہی جانتا ہوں تم فرشتوں کو ان حکمتوں اور مصلحتوں کا علم نہیں ہے۔

وہ مصلحتیں اور حکمتیں کیا تھیں؟ اس کا پورا پورا علم تو صرف علام الغیوب ہی کو ہے۔ مگر ظاہر طور پر ایک حکمت اور مصلحت یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بدن میں قوتِ شہویہ و قوتِ غضبیہ کو فساد و خوں ریزی کا منبع اور سرچشمہ سمجھ کر ان کو خلافت کا اہل نہیں سمجھا۔ مگر فرشتوں کی نظر اس پر نہیں پڑی کہ حضرت آدم علیہ السلام میں قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کے ساتھ ساتھ قوت عقلیہ بھی ہے اور قوت عقلیہ کی یہ شان ہے کہ اگر وہ غالب ہو کر قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لے تو قوت شہویہ و قوت غضبیہ بجائے فساد و خوں ریزی کے ہر خیر و خوبی کا منبع اور ہر قسم کی صلاح و فلاح کا سرچشمہ بن جایا کرتی ہیں یہ نکتہ فرشتوں کی نگاہ سے اوجھل رہ گیا۔ اسی لیے باری تعالیٰ نے فرشتوں کے جواب میں فرمایا کہ میں جو جانتا ہوں اس کو تم نہیں جانتے اور فرشتے یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

اس سے یہ ہدایت کا سبق ملتا ہے کہ چونکہ بندے خداوند قدوس کے افعال اور اس کے کاموں کی مصلحتیں اور حکمتوں سے کماحقہٗ واقف نہیں ہیں اس لیے بندوں پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر تنقید و تبصرہ سے اپنی زبان کو روکے رہیں۔ اور اپنی کم عقلی و کوتاہ فہمی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ ایمان رکھیں اور زبان سے اعلان کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا اور جیسا بھی کیا بہر حال وہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے کاموں کی حکمتوں اور مصلحتوں کو خوب جانتا

ہے جن کا ہم بندوں کو علم نہیں ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے ناموں، اور ان کی حکمتوں کا علم بذریعہ الہام ایک لمحہ میں عطا فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم کا حصول کتابوں کے سبقاً سبقاً پڑھنے ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جس بندے پر اپنا فضل فرما دے اس کو بغیر سبق پڑھنے اور بغیر کسی کتاب کے بذریعہ الہام چند لمحوں میں علم حاصل کرا دیتا ہے اور بغیر تحصیلِ علم کے اس کا سینہ علم و عرفان کا خزینہ بن جایا کرتا ہے۔ چنانچہ بہت سے اولیاء کرام کے بارے میں معتبر روایات سے ثابت ہے کہ انھوں نے کبھی کسی مدرسہ میں قدم نہیں رکھا۔ نہ کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا نہ کبھی کسی کتاب کو ہاتھ لگایا، مگر شیخ کامل کی باطنی توجہ اور فضلِ ربانی کی بدولت چند منٹوں بلکہ چند سیکنڈوں میں الہام کے ذریعے وہ تمام علوم و معارف کے جامع الکمالات بن گئے اور ان بزرگوں کے علمی تبحّر اور عالمانہ مہارت کا یہ عالم ہو گیا کہ بڑے بڑے درسگاہی مولوی جو علوم و معارف کے پہاڑ شمار کیے جاتے تھے ان بزرگوں کے سامنے طفلِ مکتب نظر آنے لگے۔

(۴) ان واقعات سے معلوم ہوا کہ خدا کی نیابت اور خلافت کا دار و مدار کثرتِ عبادت اور تسبیح و تقدیس نہیں ہے بلکہ اس کا دار و مدار علوم و معارف کی کثرت پر ہے۔ چنانچہ حضرات ملائکہ علیہم السلام باوجود کثرت عبادت اور تسبیح و تقدیس "خلیفۃ اللہ" کے لقب سے سرفراز نہیں کیے گئے اور حضرت آدم علیہ السلام علوم و معارف کی کثرت کی بنا پر خلافت کے شرف سے ممتاز بنا دیئے گئے۔ جس پر قرآنِ مجید کی آیات کریمہ شاہد عدل ہیں۔

(۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علوم کی کثرت کو عبادت کی کثرت پر فضیلت حاصل ہے اور ایک عالم کا درجہ ایک عابد سے بہت زیادہ بلند تر ہے یہ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے علمی فضل و کمال اور بلند درجات کے

اظہار واعلان کے لیے اور ملائکہ سے اس کا اعتراف کرانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم فرمایا کہ تمام فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے روبرو سجدہ کریں ۔ چنانچہ تمام ملائکہ نے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت آدم کو سجدہ کرلیا اور وہ اس کی بدولت تقرّب الی اللہ اور محبوبیت خداوندی کی منزل بلند پر فائز ہو گئے اور ابلیس چونکہ اپنے تکبّر کی منحوسیت میں گرفتار ہو کر اس سجدہ سے انکار کر بیٹھا تو وہ مردود بارگاہ الٰہی ہو کر ذلّت و نکبت کے ایسے عمیق غار میں گر پڑا کہ قیامت تک وہ اس غار سے نہیں نکل سکتا اور ہمیشہ ہمیشہ وہ دونوں جہان کی لعنتوں کا حقدار بن گیا اور قہر قہار و غضب جبار میں گرفتار ہو کر دائمی عذاب نار کا سزاوار بن گیا ۔

(۶) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے علم کو جانچنے اور علم کی قلت و کثرت کا اندازہ لگانے کے لیے امتحان کا طریقہ جو آج کل رائج ہے یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت قدیمہ ہے کہ خداوند عالم نے فرشتوں کے علم کو کم اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو زائد ظاہر کرنے کے لیے فرشتوں اور حضرت آدم علیہ السلام کا امتحان لیا ۔ تو فرشتے اس امتحان میں ناکام رہ گئے اور حضرت آدم علیہ السلام کامیاب ہو گئے ۔

(۷) ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک کا پُتلا کہہ کر ان کی تحقیر کی اور اپنے کو آتشی مخلوق کہہ کر اپنی بڑائی اور تکبّر کا اظہار کیا اور سجدہ آدم علیہ السلام سے انکار کیا درحقیقت شیطان کے اس انکار کا باعث اس کا تکبر تھا اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تکبّر وہ بُری شئے ہے کہ بڑے سے بڑے بلند مراتب و درجات والے کو ذلّت کے عذاب میں گرفتار کر دیتی ہے بلکہ بعض اوقات تکبّر کفر تک پہنچا دیتا ہے اور تکبر کے ساتھ جب محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کی توہین اور تحقیر کا بھی جذبہ ہو تو پھر تو اس کی شناعت و خباثت اور بے پناہ منحوسیت کا کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا اور اس کے ابلیس لعین ہونے میں کوئی شک و شبہ کیا ہی

نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے ان لوگوں کو عبرت آموز سبق لینا چاہیے جو بزرگانِ دین کی توہین کر کے اپنی عبادتوں پر اظہارِ تکبر کرتے رہتے ہیں کہ وہ اس دور میں ابلیس کہلانے کے مستحق نہیں تو پھر کیا ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) علوم آدم علیہ السّلام کی ایک فہرست

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کتنے اور کس قدر علوم عطا فرمائے اور کن کن چیزوں کے علوم و معارف کو عالم الغیب والشہادۃ نے ایک لمحہ کے اندر ان کے سینہ اقدس میں بذریعہ الہام جمع فرما دیا جن کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام علوم و معارف کی اتنی بلند ترین منزل پر فائز ہو گئے کہ فرشتوں کی مقدس جماعت آپ کے علمی وقار و عرفانی عظمت و اقتدار کے روبرو سربسجود ہو گئی۔ ان علوم کی ایک فہرست آپ قطب زمانہ حضرت علامہ شیخ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمہ کی شہرہ آفاق تفسیر روح البیان شریف میں پڑھیے جس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا نام، تمام زبانوں میں سکھا دیا اور ان کو تمام ملائکہ کے نام اور تمام اولادِ آدم کے نام، اور تمام حیوانات و نباتات و جمادات کے نام، اور ہر ہر چیز کی صنعتوں کے نام اور تمام شہروں اور تمام بستیوں کے نام اور تمام پرندوں اور درختوں کے نام اور جو آئندہ عالم وجود میں آنے والے ہیں سب کے نام، اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جانداروں کے نام اور تمام کھانے پینے کی چیزوں کے نام اور جنت کی تمام نعمتوں کے نام اور ہر ہر چیزوں اور سامانوں کے نام، یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کے نام۔ اور حدیث شریف میں ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات لاکھ زبانیں سکھائی ہیں۔

(روح البیان ج ۱ ص۱۰۰)

ان علوم مذکورہ بالا کی فہرست کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ جوامع الکلم کے انداز بیان میں صرف ایک جملہ کے اندر بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ:۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا نام بتا دیا۔

درس ہدایت حضرت آدم علیہ السلام کے خزائن علم کی یہ عظیم فہرست دیکھ کر سوچیے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے علوم و معارف کی یہ منزل ہے تو پھر حضور سید آدم و سرورِ اولادِ آدم، خلیفۃ اللہ الاعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم عالیہ کی کثرت و وسعت اور ان کی رفعت وعظمت کا کیا عالم ہوگا؟ میں کہتا ہوں کہ واللہ حضرت آدم علیہ السلام کے علوم کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم سے اتنی بھی نسبت نہیں ہو سکتی جتنی کہ ایک قطرہ کو سمندر سے اور ایک ذرہ کو تمام روئے زمین سے نسبت ہے۔

اللہ اکبر! کہاں علوم آدم اور کہاں علوم سید عالم! ؎

فرش تا عرش سب آئینہ، ضمائر حاضر
بس قسم کھائیے اُمّی! تیری دانائی کی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

(۴) ابلیس کیا تھا اور کیا ہو گیا؟

ابلیس جس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ یہ فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا جو آگ سے

پیدا ہوا تھا۔ لیکن یہ فرشتوں کے ساتھ ملا جلا رہتا تھا اور دربار خداوندی میں بہت مقرب اور بڑے بڑے بلند درجات و مراتب سے سرفراز تھا۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابلیس چار ہزار برس تک جنت کا خزانچی رہا اور اسی ہزار برس تک ملائکہ کا ساتھی رہا اور چالیس ہزار برس تک ملائکہ کو وعظ سناتا رہا اور تیس ہزار برس تک مقربین کا سردار رہا اور ایک ہزار برس تک روحانیین کی سرداری کے منصب پر رہا اور چودہ ہزار برس تک عرش کا طواف کرتا رہا اور پہلے آسمان میں اس کا نام عابد اور دوسرے آسمان میں زاہد، اور تیسرے آسمان میں عارف اور چوتھے آسمان میں ولی اور پانچویں آسمان میں تقی اور چھٹے آسمان میں خازن اور ساتویں آسمان میں عزازیل تھا اور لوح محفوظ میں اس کا نام ابلیس لکھا ہوا تھا اور یہ اپنے انجام سے غافل اور خاتمہ سے بے خبر تھا۔

(صاوی ج ۱ ص ۲۲ وجمل ج ۱ ص ۴۱)

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو ابلیس نے انکار کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی تحقیر اور اپنی بڑائی کا اظہار کر کے تکبر کیا اسی جرم کی سزا میں خداوند عالم نے اس کو مردود بارگاہ کر کے دونوں جہان میں ملعون فرما دیا اور اس کو اور اس کی پیروی کرنے والوں کو جہنم میں عذاب نار کا سزاوار بنا دیا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہوا کہ :۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ط خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ	(اللہ) نے فرمایا کہ اے ابلیس! کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا وہ بولا کہ میں آدم سے بہتر ہوں کیوں کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے بنایا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ تو یہاں سے اتر جا۔ تجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تو یہاں رہ کر غرور کرے نکل جا تو ذلت والو

اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ
یُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّکَ
مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝ قَالَ
فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ
لَهُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝
ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ
بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ
خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ
وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا
تَجِدُ اَکْثَرَهُمْ شٰکِرِیْنَ ۝
قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا
مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَکَ
مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ
مِنْکُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝

(الاعراف رکوع ۲)

میں سے ہے۔ ابلیس بولا کہ تو مجھے
قیامت کے دن تک کی مہلت دیدے
اللہ نے فرمایا۔ تجھے مہلت ہے وہ بولا
کہ خداوندا، قسم اس کی کہ تو نے مجھے
گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستہ پر
تیرے بندوں کی تاک میں بیٹھوں گا
پھر ضرور ان کے آگے، ان کے پیچھے
اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے
ان کے پاس آؤں گا۔ (اور بہکاؤں گا)
تو اے اللہ تو اپنے اکثر بندوں کو
شکر گذار نہ پائے گا۔ اللہ نے فرمایا
کہ (اے شیطان) تو یہاں سے نکل جا تو
مردود ہے تو راندہ ہوا ہے۔ جو میرے
بندوں میں سے تیرے کہے پر چلیگا میں
ضرور تم سبھوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔

درس ہدایت

قرآن مجید کے اس عجیب واقعہ میں عبرتوں اور نصیحتوں کی بڑی بڑی درخشندہ اور تابندہ تجلیاں ہیں اسی لیے اس واقعہ کو خداوند قدوس نے مختلف الفاظ میں اور متعدد طرز بیان کے ساتھ قرآن مجید کے سات مقامات میں بیان فرمایا ہے یعنی سورۂ بقرہ، سورۂ اعراف، سورہ حجر، سورہ بنی اسرائیل، سورہ کہف، سورہ طٰہٰ، سورہ صٓ میں اس دل ہلا دینے والے واقعہ کا تذکرہ مذکور ہے جس سے مندرجہ ذیل حقائق کا درس ہدایت ملتا ہے۔

(۱) اس سے ایک بہت بڑا درس ہدایت تو یہ ملتا ہے کہ کبھی ہرگز ہرگز

اپنی عبادتوں اور نیکیوں پر گھمنڈ اور غرور نہیں کرنا چاہیے اور کسی گنہ گار کو اپنی مغفرت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ انجام کیا ہوگا اور خاتمہ کیسا ہوگا عام بندوں کو اس کی کوئی خبر نہیں ہے اور نجات و فلاح کا دار و مدار درحقیقت خاتمہ بالخیر پر ہی ہے بڑے سے بڑا عابد اگر اس کا خاتمہ بالخیر نہ ہوا تو وہ جہنمی ہوگا اور بڑے سے بڑا گنہ گار اگر اس کا خاتمہ بالخیر ہو گیا تو وہ جنتی ہوگا دیکھ لو کہ ابلیس کتنا بڑا عبادت گزار اور کس قدر مقرب بارگاہ تھا اور کیسے کیسے مراتب و درجات کے شرف سے سرفراز تھا۔ مگر انجام کیا ہوا؟ کہ اس کی ساری عبادتیں غارت و اکارت ہو گئیں اور وہ دونوں جہان میں ملعون ہو کر عذابِ جہنم کا حقدار بن گیا۔ کیونکہ اس کو اپنی عبادتوں اور بلندی درجات پر غرور اور تکبر ہو گیا تھا مگر وہ اپنے انجام اور خاتمہ سے بالکل بے خبر تھا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بندہ اہلِ جہنم کے اعمال کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے اور ایک بندہ اہلِ جنت کے عمل کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ یعنی عمل کا اعتبار خاتموں پر ہے۔

(مشکوٰۃ ج ۱ ص۲۰ باب الایمان بالقدر)

خداوند کریم ہر مسلمان کو خاتمہ بالخیر کی سعادت نصیب فرمائے اور بُرے انجام اور بُرے خاتمہ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم ہو یا جاہل متقی ہو یا گنہ گار ہر آدمی کو زندگی بھر شیطان کے وسوسوں سے ہوشیار اور اس کے دغدغوں سے بچتے رہنا چاہیے۔ کیونکہ شیطان نے قسم کھا کر خدا کے حضور میں اعلان کر دیا ہے کہ میں آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے وسوسہ ڈال کر تیرے بندوں کو صراطِ مستقیم سے بہکاتا رہوں گا اور بہت سے بندوں کو خدا کا شکر گزار ہونے سے روک دوں گا۔

(۳) شیطان نے آگے پیچھے اور دائیں، بائیں چار جانبوں سے انسانوں پر حملہ آور ہونے اور وسوسہ ڈالنے کا اعلان کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اوپر اور

نیچے ان دو جانبوں سے شیطان انسانوں پر کبھی حملہ آور نہیں ہوگا۔ نہ اوپر اور نیچے کی جانب سے کوئی وسوسہ ڈال سکے گا لہٰذا اگر کوئی انسان اپنے اوپر یا نیچے کی طرف سے کوئی روشنی یا کوئی بھی حیرت انگیز و تعجب خیز چیز دیکھے تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ یہ شیطانی کرتب یا ابلیس کا وسوسہ نہیں ہے بلکہ اس کو خیر سمجھ کر اس کی جانب متوجہ ہو اور خداوند قدوس کی طرف سے خیر اور بھلائی کی امید رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عذاب

(۵) بنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب

جب "میدان" "تیہ" میں بنی اسرائیل نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم زمین سے اگنے والے غلّے اور ترکاریاں کھائیں گے تو ان لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھایا کہ تم لوگ "من و سلویٰ" کے نفیس کھانے کو چھوڑ کر گیہوں، دال اور ترکاریوں جیسی خسیس اور گھٹیا غذائیں کیوں طلب کر رہے ہو؟ مگر جب بنی اسرائیل اپنی ضد پر اڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم لوگ میدان تیہ سے نکل کر شہر بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ اور وہاں بے روک ٹوک اپنی پسند کی اور من بھاتی غذائیں کھاؤ مگر یہ ضروری ہے کہ تم لوگ بیت المقدس کے دروازے میں کمال ادب و احترام کے ساتھ جھک کر داخل ہونا اور داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگتے رہنا کہ یا اللہ! تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے تو ہم تمھارے گناہوں کو بخش دیں گے مگر بنی اسرائیل جو ہمیشہ سے سرکشی اور شرارتوں کے عادی، اور خدا کی نافرمانیوں کے خوگر تھے۔ بیت المقدس کے قریب پہنچ کر ایک دم ان لوگوں کی رگ شرارت بھڑک اٹھی اور یہ نافرمان لوگ بجائے جھک کے داخل ہونے کے اپنے سرینوں پر گھسٹتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے اور حِطّۃٌ (معافی کی دعا مانگتے ہیں) کے بدلے حَبَّۃٌ فِی شَعْرَۃٍ (ایک دانہ ہے ایک بال میں) کہتے ہوئے

اور مذاق و تمسخر کرتے ہوئے بیت المقدس کے دروازے میں گھستے چلے گئے فرمانِ ربانی کی اس نافرمانی اور حکمِ الٰہی کے ساتھ تمسخر کی وجہ سے ان لوگوں پر قہرِ خداوندی بصورت عذاب نازل ہو گیا کہ اچانک ان لوگوں میں طاعون کی بیماری وبائی شکل میں پھیل گئی اور گھنٹہ بھر میں ستر ہزار بنی اسرائیل درد و کرب سے مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کر مر گئے (صاوی ج ۱ ص ۳۱ و جلالین)

طاعون ایک مہلک وبائی بیماری ہے جس کو ڈاکٹر "پلیگ" کہتے ہیں اس بیماری میں گردن اور بغلوں اور کنج ران میں آم کی گٹھلی کے برابر گلٹیاں نکل آتی ہیں۔ جن میں بے پناہ درد اور ناقابلِ برداشت سوزش ہوتی ہے اور شدید بخار چڑھ جاتا ہے اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور دردناک جلن سے شعلہ کی طرح جلنے لگتی ہیں اور مریض شدتِ درد اور شدید بے چینی و بے قراری میں تڑپ تڑپ کر بہت جلد مر جاتا ہے اور جس بستی میں یہ وبا پھیل جاتی ہے اس بستی کی اکثر آبادی موت کے گھاٹ اُتر جاتی ہے اور ہر طرف ویرانی اور خوف و ہراس کا دور دورہ پھیل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا کہ:

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا	اور جب ہم نے فرمایا کہ تم اس بستی
هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا	(بیت المقدس) میں جاؤ پھر اس میں
حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا	جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ، اور
وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا	دروازہ میں جھکتے ہوئے داخل ہو اور یہ
وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ	کہو کہ ہمارے گناہ معاف ہوں تو ہم
خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝	تمھاری خطائیں بخش دیں گے تو
فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا	ظالموں نے وہ بات بدل دی جو
غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا	ان سے کہی گئی تھی تو ہم نے ان پر

عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝ (بقرہ رکوع ۶)

آسمان سے عذاب (طاعون) اتار دیا ان کے فسق اور بے حکمی کا بدلہ دینے کے لیے۔

درس ہدایت اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی نافرمانی اور احکامِ ربانی کے ساتھ تمسخر و مذاق کرنے کا کتنا بھیانک اور کس قدر ہولناک انجام ہوتا ہے کہ آخرت کا عذاب تو اپنی جگہ برقرار ہی ہے دنیا ہی میں قہر الٰہی بصورت عذاب نازل ہو جاتا ہے جس سے لوگ ہلاک ہو کر فنا کے گھاٹ اتر جاتے ہیں اور بستیاں ویران ہو جاتی ہیں معاذ اللّٰہ منہ۔

فائدہ "طاعون" بنی اسرائیل کے حق میں عذاب تھا مگر اس خیر الامم یعنی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے حق میں یہ بیماری رحمت ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہوتا ہے (صاوی ج ۱ ص ۳۲)

مسئلہ یہ ہے کہ جس بستی میں طاعون کی وبا پھیلی ہو وہاں جانا نہیں چاہیے اور اگر اپنی بستی میں وبا آجائے تو بستی چھوڑ کر دوسری جگہ بھاگنا نہیں چاہیے بلکہ طاعون کی وبا میں اپنی بستی ہی کے اندر خدا پر توکل کر کے صبر کے ساتھ رہنا چاہیے اگر اس بیماری میں مر گیا تو شہید ہوگا اور طاعون کے ڈر سے بستی چھوڑ کر بھاگنے والے پر اتنا بڑا گناہ ہوتا ہے جتنا کہ جہاد کے دن میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں پر گناہ ہوتا ہے اس لیے ہرگز ہرگز بھاگنا نہیں چاہیے بلکہ اس بیماری میں صبر کے ساتھ اپنی ہی بستی میں مقیم رہنا چاہیے کہ اس پہ خداوند تعالیٰ نے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۶) صفا و مروہ

یہ چھوٹی چھوٹی دو پہاڑیاں ہیں جو حرم کعبہ مکرمہ کے بالکل قریب ہی ہیں اور آجکل تو بلند عمارتوں اور اونچی سڑکوں اور یہ دونوں پہاڑیوں کے درمیان چھت بن جانے اور تعمیرات کے ردّو بدل سے دونوں پہاڑیاں برائے نام ہی کچھ بلندی رکھتی ہیں۔ انھی دونوں پہاڑیوں پر چڑھ کر اور چکر لگا کر حضرت بی بی ہاجرہ نے اس وقت پانی کی جستجو اور تلاش کی تھی جب کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شیر خوار بچے تھے اور پیاس کی شدت سے بے قرار ہو گئے تھے اسی لیے زمانۂ قدیم سے یہ دونوں پہاڑیاں بہت مقدس مانی جاتی ہیں اور حجاج کرام ان دونوں پہاڑیوں پر چڑھ کر بڑے احترام اور جذبہ عقیدت کے ساتھ طواف کرتے اور دعائیں مانگا کرتے تھے۔

مگر زمانہ جاہلیت میں ایک مرد جس کا نام "اساف" تھا اور ایک عورت جس کا نام "نائلہ" تھا ان دونوں خبیثوں نے خانہ کعبہ کے اندر زنا کاری کر لی تو ان دونوں پر یہ قہر الٰہی نازل ہو گیا کہ یہ دونوں مسخ ہو کر پتھر کی مورت اور بُت بن گئے پھر زمانہ جاہلیت کے بُت پرستوں نے ان دونوں مجسموں کو کعبہ سے اٹھا کر صفا و مروہ کی دونوں پہاڑیوں پر رکھ دیا اور ان دونوں بتوں کی پوجا کرنے لگے۔

پھر جب عرب میں اسلام پھیل گیا تو مسلمان "اساف و نائلہ" دونوں بتوں کی وجہ سے ان دونوں پہاڑیوں پر جانے کو گناہ سمجھنے لگے اس وقت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ حکم نازل فرمایا کہ صفا و مروہ کے طواف اور ان دونوں کی زیارت میں کوئی حرج و گناہ نہیں بلکہ حج و عمرہ دونوں عبادتوں میں صفا و مروہ کا طواف ضروری ہے (صاوی ج ۱ ص ۶۵)

کہ بنی اسرائیل کو بچھڑے کے خدا ہونے کا یقین آگیا اور وہ اس بچھڑے کو پوجنے لگے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے واپس تشریف لائے تو بنی اسرائیل کو بچھڑا پوجتے دیکھ کر بے حد ناراض ہوئے پھر غضب و جلال میں آکر اس بچھڑے کو توڑ پھوڑ کر برباد کر دیا پھر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی ہے وہ لوگ بچھڑا پوجنے والوں کو قتل کریں چنانچہ ستر ہزار بچھڑے کی پوجا کرنیوالے قتل ہو گئے اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہِ طور پر لے جائیں اور یہ سب لوگ بچھڑا پوجنے والوں کی طرف سے معذرت طلب کرتے ہوئے یہ دعا مانگیں کہ بچھڑا پوجنے والوں کے گناہ معاف ہو جائیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چُن چُن کر اچھے اچھے ستر آدمیوں کو ساتھ لیا اور کوہِ طور پر تشریف لے گئے جب لوگ کوہِ طور پر طلب معذرت واستغفار کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی آواز آئی کہ:۔

اے بنی اسرائیل! میں ہی اللہ ہوں، میرے
سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ میں نے ہی تم
لوگوں کو فرعون کے ظلم سے نجات دیکر تم
لوگوں کو بچایا ہے لہٰذا تم لوگ فقط میری ہی عبادت
کرو اور میرے سوا کسی کو مت پوجو۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سن کر یہ ستر آدمی ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ اے موسیٰ! (علیہ السلام) ہم ہرگز ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ یہ ستر آدمی اپنی ضد پر بالکل اڑ گئے کہ ہم کو آپ خدا کا دیدار کرائیے ورنہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے کہ خداوند عالم نے یہ فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو بہت بہت سمجھایا۔ مگر یہ شریر و سرکش لوگ اپنے مطالبہ پر اڑے رہ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غضب و جلال کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے ایک ایسی خوفناک چیخ ماری کہ خوف و ہراس سے لوگوں کے

دل پھٹ گئے اور یہ ستر آدمی مر گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند عالم سے کچھ گفتگو کی اور ان لوگوں کے لیے زندہ ہو جانے کی دعا مانگی تو یہ لوگ زندہ ہو گئے (صاوی ج ۱ ص۳۰)

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (البقرہ رکوع ۶)	اور جب تم (بنی اسرائیل) نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمھاری بات نہ مانیں گے یہاں تک کہ ہم علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں تو تم کو ایک کڑک نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر مر جانے کے بعد تم لوگوں کو ہم نے زندہ کیا کہ تم ہمارا احسان مانو۔

درسِ ہدایت

(۱) اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے پیغمبر کی بات نہ مان کر اپنی ضد پر اڑے رہنا بڑی ہی خطرناک بات ہے پھر ان ستر آدمیوں کا مر کر زندہ ہو جانا یہ خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کا اظہار و اعلان ہے تاکہ لوگ ایمان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب مرے ہوئے انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا۔

(۲) اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا قانون یہ تھا کہ گناہ شرک کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے پھر قوم کے نیک لوگ ان کے لیے طلب معذرت اور دعاء مغفرت کریں تب ان شرک کرنے والوں کی توبہ قبول ہوتی تھی۔ مگر ہمارے حضور سید الانبیاء و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت چونکہ آسان شریعت ہے اس لیے اس کے قانون میں توبہ قبول ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ گناہ کرنیوالے نے اگرچہ کفر و شرک کا گناہ کر لیا ہو سچے دل سے اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور شرمندہ ہو کر معافی طلب کرے اور اپنے دل میں یہ عہد و عزم کرے کہ پھر وہ یہ گناہ نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا اور اس کے

گناہ کو معاف فرما دے گا۔ توبہ قبول ہونے کے لیے گناہ کرنے والوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

سُبحان اللہ! یہ حضور رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا طفیل ہے کہ وہ اپنی امت پر رؤف و رحیم اور بےحد مہربان ہیں۔ تو ان کے طفیل اللہ تعالیٰ بھی اپنے حبیب کی اُمّت پر بہت زیادہ رحیم و کریم بلکہ ارحم الراحمین ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

(۸) ایک تاریخی مُناظرہ

یہ نمرود اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مناظرہ ہے۔ جس کی روئیداد قرآن مجید میں مذکور ہے۔

نمرود کون تھا؟ "نمرود" بڑے طنطنے کا بادشاہ تھا سب سے پہلے اس نے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا اور خدائی کا دعویٰ کیا یہ ولدالزنا اور حرامی تھا اور اسکی ماں نے زنا کرا لیا تھا جس سے نمرود پیدا ہوا تھا۔ کیونکہ نمرود کی ماں کا شوہر نامرد تھا اس لیے نمرود کی ماں کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ سلطنت کا کوئی وارث پیدا نہ ہوگا تو بادشاہت ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ حرامی لڑکا بڑا ہو کر بہت اقبالمند ہوا۔ اور بہت بڑا بادشاہ بن گیا۔ مشہور ہے کہ پوری دنیا کی بادشاہی صرف چار ہی شخصوں کو ملی جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین تو صاحبانِ ایمان تھے اور نمرود و بخت نصّر یہ دونوں کافر تھے نمرود نے اپنی سلطنت بھر میں یہ قانون نافذ کر دیا تھا کہ اس نے خوراک کی تمام چیزوں کو اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ یہ صرف ان ہی لوگوں کو خوراک کا سامان دیا کرتا تھا جو لوگ اس کی خدائی کو تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے دربار میں غلہ لینے کے لیے تشریف لے گئے تو اس خبیث نے کہا کہ پہلے

تم مجھ کو اپنا خدا تسلیم کر و جبھی میں تم کو غلہ دوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھرے دربار میں علی الاعلان فرما دیا کہ تو جھوٹا ہے اور میں صرف ایک خدا کا پرستار ہوں جو وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے یہ سن کر نمرود آپے سے باہر ہو گیا اور آپ کو دربار سے نکال دیا اور ایک دانہ بھی نہیں دیا۔ آپ اور آپ کے چند متبعین جو مومن تھے، بھوک کی شدت سے پریشان ہو کر جاں بلب ہو گئے۔ اس وقت آپ ایک تھیلہ لے کر ایک ٹیلے کے پاس تشریف لے گئے اور تھیلے میں ریت بھر کر لائے اور خداوند قدوس سے دعا مانگی تو وہ ریت آٹا بن گئی اور آپ نے اس کو اپنے متبعین کو کھلایا اور خود بھی کھایا۔ پھر نمرود کی دشمنی اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے آپ کو آگ میں ڈلوادیا۔ مگر وہ آگ آپ پر گلزار بن گئی اور آپ سلامتی کے ساتھ اس آگ سے باہر نکل آئے اور علی الاعلان نمرود کو جھوٹا کہہ کر خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی توحید کا چرچا کرنے لگے نمرود نے آپ کے کلمہ حق سے تنگ آکر ایک دن آپ کو اپنے دربار میں بلایا اور حسب ذیل مکالمہ بصورت مناظرہ شروع کر دیا۔

(صاوی ج ۱ ص ۱۰۹ و جمل ج ۱ ص ۲۱)

"نمرود" اے ابراہیم! (علیہ السلام) بتاؤ تمہارا رب کون ہے جس کی عبادت کی تم لوگوں کو دعوت دے رہے ہو؟

"حضرت ابراہیم" اے نمرود! میرا رب وہی ہے جو لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہے۔

"نمرود" یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں چنانچہ اسی وقت اس نے دو قیدیوں کو جیل خانہ سے دربار میں بلوایا ایک کو موت کی سزا ہو چکی تھی اور دوسرا رہا ہو چکا تھا۔ نمرود نے پھانسی پانے والے کو تو چھوڑ دیا اور بے قصور کو پھانسی دے دی اور بولا کہ دیکھ لو کہ جو مردہ تھا میں نے اس کو جلا دیا اور جو زندہ تھا میں نے اس کو مردہ کر دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ نمرود بالکل ہی احمق اور نہایت ہی

گھامڑ آدمی ہے جو "جلانے اور مارنے" کا یہ مطلب سمجھ بیٹھا اس لیے آپ نے اس کے سامنے ایک دوسری بہت ہی واضح اور روشن دلیل پیش فرمائی۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"حضرت ابراہیم" اے نمرود! میرا رب وہی ہے جو سورج کو پورب سے نکالتا ہے۔ اگر تو خدا ہے تو ایک دن سورج کو پچھم سے نکال دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دلیل سن کر نمرود مبہوت و حیران رہ گیا اور کچھ بھی نہ بول سکا۔ اس طرح یہ مناظرہ ختم ہو گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مناظرہ میں فتح مند ہو کر دربار سے باہر تشریف لائے اور توحید الٰہی کا وعظ علی الاعلان فرمانا شروع کر دیا۔ قرآن مجید نے اس مناظرہ کی روئیداد ان لفظوں میں بیان فرمائی ہے کہ:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۚ (البقرہ رکوع ۳۵)	(اے محبوب) کیا آپ نے نہ دیکھا اس شخص کو جس نے ابراہیم (علیہ السلام) سے ان کے رب کے بارے میں اس گھمنڈ پر جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسکو بادشاہی دی جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا رب وہی ہے جو جلاتا اور مارتا ہے وہ بولا کہ میں جلاتا ہوں اور مارتا ہوں ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اللہ سورج کو پورب سے لاتا ہے اور تو اس کو پچھم سے لے آ۔ تو ہوش اڑ گئے کافر کے۔ اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔

درسِ ہدایت

اس واقعہ سے چند اسباق کی روشنی ملتی ہے کہ:

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام خداوند تعالیٰ کی توحید کے اعلان پر پہاڑ کی طرح قائم رہے نہ نمرود کی بے شمار فوجوں سے خائف ہوئے۔ نہ اس کے ظلم و جبر سے مرعوب ہوئے بلکہ جب اس ظالم نے آپ کو آگ کے شعلوں میں ڈلوادیا اس وقت بھی آپ کے پائے عزم و استقلال میں بال برابر لغزش نہیں ہوئی اور آپ برابر نعرہ توحید بلند کرتے رہے پھر اس بے رحم نے آپ پر دانہ پانی بند کر دیا۔ اس پر بھی آپ کے عزم و استقامت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ پھر اس نے آپ کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور دربارِ شاہی میں طلب کیا تاکہ شاہی رعب و داب دکھا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مرعوب کر دے لیکن آپ نے بالکل بے خوف ہو کر مناظرہ کا چیلنج قبول فرمالیا اور دربار شاہی میں پہنچ کر ایسی مضبوط اور دندان شکن دلیل پیش فرمائی کہ نمرود کے ہوش اڑ گئے اور وہ ہکا بکا ہو کر لاجواب اور خاموش ہو گیا اور بھرے دربار میں اس کلمہ حق کی تجلی ہو گئی کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ یعنی حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے والا ہی تھا بالآخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صداقت و حقانیت کا پرچم سربلند ہو گیا اور نمرود ایک مچھر جیسی حقیر مخلوق سے ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اُسوۂ حسنہ سے علماءِ حق کو سبق لینا چاہیے کہ باطل پرستوں کے مقابلہ میں ہر قسم کے خوف و ہراس اور تکالیف سے بے نیاز ہو کر آخری دم تک ڈٹے رہنا چاہیے اور یہ ایمان و یقین رکھنا چاہیے کہ ضرور ضرور نصرت خداوندی ہماری امداد و دستگیری فرمائے گی اور بالآخر باطل پرستوں کے مقابلہ میں ہم ہی فتح مند ہوں گے اور باطل پرست یقیناً خائب و خاسر ہو کر ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔

(۲) یہ ایمان و عقیدہ مضبوطی کے ساتھ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اہم حق پرستوں کو غیب سے روزی کا سامان دے گا کیونکہ ظالم نمرود نے جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو غلہ دینا بند کر دیا اور ملک بھر میں ان کو کہیں ایک دانہ بھی نہیں ملا۔ تو اللہ تعالیٰ نے

ریت اور مٹی کو ان کے لیے آٹا بنا دیا اور اسلام کے اس عقیدہ کی حقانیت کا سورج چمک اٹھا کہ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ہ یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ یقیناً روزی دینے والا اللہ ہی ہے جو بڑی مضبوط طاقت و قدرت والا ہے۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ طرز فکر و عمل اور آپ کا یہ اسوۂ تمام حق پرست عالموں کے لیے چراغ راہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے والے ضرور ضرور کامیابی سے ہم کنار ہوں گے یہ وہ تابندہ حقیقت ہے جو آفتاب عالم تاب سے بھی زیادہ تابناک اور روشن ہے سبحان اللہ! کس قدر حقیقت افروز ہے یہ شعر کہ۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

(۹) انسانوں میں ہمیشہ دشمنی رہے گی۔

حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما السلام نہایت ہی آرام اور چین کے ساتھ جنت میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ جنت کا جو پھل بھی چاہو بے روک ٹوک سیر ہو کر تم دونوں کھا سکتے ہو۔ مگر صرف ایک درخت کا پھل کھانے کی ممانعت تھی کہ اس کے قریب مت جانا۔ وہ درخت گیہوں تھا یا انگور وغیرہ تھا۔ چنانچہ دونوں اس درخت سے مدت دراز تک بچتے رہے۔ لیکن ان دونوں کا دشمن ابلیس برابر تاک میں لگا رہا۔ آخر اس نے ایک دن اپنا وسوسہ ڈال ہی دیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے جس درخت سے تم دونوں کو منع کر دیا ہے وہ "شجرۃ الخلد" ہے یعنی جو اس درخت کا پھل کھا لے گا وہ کبھی جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ پہلے حضرت حوّا

اس شیطانی وسوسہ کا شکار ہوگئیں اور انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اس پر راضی کر لیا اور وہ ناگہاں غیر ارادی طور پر اس درخت کا پھل کھا گئے۔

آپ نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھ لیا کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کی نہی تنزیہی ہے اور واقعی ہرگز ہرگز نہی تحریمی نہیں تھی۔ ورنہ حضرت آدم علیہ السلام نبی ہوتے ہوئے ہرگز ہرگز اس درخت کا پھل نہ کھاتے کیونکہ نبی تو ہر گناہ سے معصوم ہوتا ہے بہرحال حضرت آدم علیہ السلام سے اس سلسلے میں اجتہادی خطا سرزد ہوگئی، اور اجتہادی خطا معصیت نہیں ہوتی (خزائن العرفان ص ۱۲)

لیکن حضرت آدم علیہ السلام چونکہ دربار الٰہی میں بہت مقرب اور بڑے بڑے درجات پر فائز تھے اس لیے اس اجتہادی خطا پر بھی مورد عتاب ہو گئے۔ فوراً ہی بہشتی لباس دونوں کے بدن سے گر پڑے اور یہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنا ستر چھپانے لگے، اور خداوند قدوس کا حکم ہو گیا کہ تم دونوں جنت سے زمین پر اتر پڑو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے دو خاص باتیں ارشاد فرمائیں ایک تو یہ کہ تمھاری اولاد میں بعض، بعض کا دشمن ہوگا کہ ہمیشہ آپس میں انسانوں کی دشمنی چلتی رہے گی۔ دوسری یہ کہ عمر بھر تم دونوں کو زمین میں ٹھہرنا ہے پھر اس کے بعد ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ:

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (البقرہ رکوع ۴)	تو شیطان نے ان دونوں (آدم و حوا) کو جنت سے لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے ان دونوں کو الگ کر دیا اور ہم نے فرمایا کہ نیچے اترو آپس میں ایک تمھارا دوسرے کا دشمن ہوگا اور تمھیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔

درسِ ہدایت اس ارشادِ ربانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ یہ جو انسانوں میں مختلف وجوہات کی بنا پہ عداوتیں اور دشمنیاں چل رہی ہیں یہ کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ لاکھ کوشش کرو کہ دنیا میں لوگوں کے درمیان عداوت اور دشمنی کا خاتمہ ہو جائے مگر چونکہ یہ حکمِ خداوندی کے باعث ہے اس لیے یہ عداوتیں کبھی ہرگز ختم نہ ہوں گی۔ کبھی ایک ملک دوسرے ملک کا دشمن ہو گا۔ کبھی مزدور اور سرمایہ دار میں دشمنی رہے گی، کبھی امیر و غریب کی عداوت زور پکڑے گی کبھی مذہبی و لسانی دشمنی رنگ لائے گی۔ کبھی تہذیب و تمدن کے باہمی ٹکراؤ کی دشمنی ابھرے گی۔ کبھی ایمان داروں اور بے ایمانوں کی عداوت رنگ دکھائے گی الغرض دنیا میں انسانوں کی آپس میں عداوت و دشمنی کا بازار ہمیشہ گرم ہی رہے گا اس لیے لوگوں کو اس سے رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ اس عداوت اور دشمنی کو ختم کرنے کی تدبیروں پر غور و خوض کر کے پریشان خاطر ہونے سے کوئی فائدہ ہے، کیونکہ جس طرح اندھیرے اور اجالے کی دشمنی، آگ اور پانی کی دشمنی، گرمی اور سردی کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہو سکتی ٹھیک اسی طرح انسانوں میں آپس کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم و حوا کے زمین پر آنے سے پہلے ہی یہ فرما دیا کہ بعضکم لبعض عدو یعنی ایک انسان دوسرے انسان کا دشمن ہو گا تو یہ عداوت و دشمنی نفسی اور فطری ہے جو حکمِ الٰہی اور اس کی مشیت سے ہے تو پھر بھلا کون ہے جو اس عداوت کا دنیا سے خاتمہ کرا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۰) آدم علیہ السّلام کی توبہ کیسے قبول ہوئی؟

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت سے زمین پر آنے کے بعد تین سو برس تک ندامت کی وجہ سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف نہیں دیکھا اور روتے ہی رہے

روایت ہے کہ اگر تمام انسانوں کے آنسو جمع کیے جائیں تو اتنے نہیں ہوں گے جتنے آنسو حضرت داؤد علیہ السلام کے خوف الٰہی سے زمین پر گرے اور اگر تمام انسانوں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں کو جمع کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کے آنسوان سب لوگوں سے زیادہ ہوں گے (صاوی ج ا ص ۴۳)

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے یہ پڑھ کر دعا مانگی کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ یعنی اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ تیرا نام برکت والا ہے اور تیری بزرگی بہت ہی بلند مرتبہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش دے۔

(جمل ج ا ص ۴۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ پڑھا۔ یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا اور اگر تو ہمیں رحم فرما کر نہ بخشے کا تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (جلالین)

لیکن حاکم وطبرانی وابونعیم وبیہقی نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پر عتاب الٰہی ہوا تو آپ توبہ کی فکر میں حیران تھے۔ ناگہاں اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اسی وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ بارگاہِ الٰہی میں وہ مرتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ ملا کر عرش پر مکتوب فرمایا ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنی دعا میں رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کے

ساتھ یہ عرض کیا کہ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ اور ابن منذر کی روایت میں یہ کلمات بھی ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِجَاہِ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَکَرَامَتِہٖ عَلَیْکَ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یعنی اے اللہ! تیرے بندۂ خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاہ و مرتبہ کے طفیل میں اور ان کی بزرگی کے صدقے میں جو انھیں تیرے دربار میں حاصل ہے میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ کو بخش دے یہ دعا کرتے ہی حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی اور توبہ مقبول ہوئی

(خزائن العرفان ص۱۲)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ	پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات
فَتَابَ عَلَیْہِ ط اِنَّہٗ ھُوَ	تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ مقبول فرمائی
التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ہ	بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول
(البقرہ رکوع ۴)	فرمانے والا مہربان ہے۔

درسِ ہدایت

اس واقعہ سے چند اسباق پر روشنی پڑتی ہے جو یہ ہیں:-

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کے وسیلہ سے بحق فلاں و بجاہ فلاں کہہ کر دعا مانگنی جائز اور حضرت آدم علیہ السلام کی سُنّت ہے۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ دسویں محرم کو قبول ہوئی جنت سے نکلتے وقت دوسری نعمتوں کے ساتھ عربی زبان بھی آپ سے بھلا دی گئی تھی اور بجائے اس کے سریانی زبان آپ کی زبان پر جاری کر دی گئی تھی۔ مگر توبہ قبول ہونے کے بعد پھر عربی زبان بھی آپ کو عطا کر دی گئی (خزائن العرفان ص۱۲)

(۳) چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا اجتہادی تھی اور اجتہادی خطا معصیت نہیں ہے اس لیے جو شخص حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی یا ظالم کہے گا وہ نبی کی توہین کے سبب سے کافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے وہ اپنے

بندۂ خاص حضرت آدم علیہ السلام کو جو چاہے فرمائے اس میں ان کی عزت ہے دوسرے کی کیا مجال کہ خلافِ ادب کوئی لفظ زبان پر لائے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے کلمات کو دلیل بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم و توقیر اور ان کے ادب و اطاعت کا حکم فرمایا ہے لہٰذا ہم پر یہی لازم ہے کہ ہم حضرت آدم علیہ السّلام اور دوسرے تمام انبیاء کرام کا ادب و احترام لازم جانیں اور ہرگز ہرگز ان حضرات کی شان میں کوئی ایسا لفظ نہ بولیں جس میں ادب کی کمی کا کوئی شائبہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۱) حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے حواری

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ "حواری" جو آپ پر ایمان لا کر اور اپنے اپنے اسلام کا اعلان کر کے اپنے تن من دھن سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی نصرت و حمایت کے لیے ہر وقت اور ہر دم کمر بستہ رہے۔ یہ کون لوگ تھے؟ اور ان لوگوں کو "حواری" کا لقب کیوں؟ اور کس معنی کے لحاظ سے دیا گیا؟

تو اس کے بارے میں صاحب تفسیر جمل نے فرمایا کہ "حواری" کا لفظ "حور" سے مشتق ہے جس کے معنی سفیدی کے ہیں چونکہ ان لوگوں کے کپڑے نہایت سفید اور صاف تھے اور ان کے قلوب اور نیتیں بھی صفائی ستھرائی میں بہت بلند مقام رکھتی تھیں۔ اس بنا پر ان لوگوں کو "حوری" کہنے لگے اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ چونکہ یہ لوگ رزق حلال طلب کرنے کے لیے دھوبی کا پیشہ اختیار کر کے کپڑوں کی دھلائی کرتے تھے اس لیے یہ لوگ "حواری" کہلائے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سب لوگ شاہی خاندان سے تھے اور بہت ہی صاف اور سفید کپڑے پہنتے تھے اس لیے لوگ ان کو حواری کہنے لگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں آپ کھانا کھایا کرتے تھے اور وہ پیالہ کبھی کھانے سے

خالی نہیں ہوتا تھا۔ کسی نے بادشاہ کو اس کی اطلاع دے دی تو اس نے آپ کو دربار میں طلب کر کے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں عیسیٰ بن مریم خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ وہ بادشاہ آپ کی ذات اور آپ کے معجزات سے متاثر ہو کر آپ پر ایمان لایا اور سلطنت کا تخت و تاج چھوڑ کر اپنے تمام اقارب کے ساتھ آپ کی خدمت میں رہنے لگا۔ چونکہ یہ شاہی خاندان بہت ہی سفید پوش تھا۔ اس لیے یہ سب "حواری" کے لقب سے مشہور ہو گئے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سفید پوش مچھیروں کی ایک جماعت تھی جو مچھلیوں کا شکار کیا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگ مچھلیوں کا شکار کرتے ہو اگر تم لوگ میری پیروی کرنے پر کمر بستہ ہو جاؤ تو تم لوگ آدمیوں کا شکار کر کے ان کو حیات جاودانی سے سرفراز کرنے لگو گے۔ ان لوگوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا۔ تو اس وقت "شمعون" نامی مچھلی کے شکاری نے دریا میں جال ڈال رکھا تھا مگر ساری رات گزر جانے کے باوجود ایک مچھلی بھی جال میں نہیں آئی تو آپ نے فرمایا کہ اب تم جال دریا میں ڈالو۔ چنانچہ جیسے ہی اُس نے جال کو دریا میں ڈالا لمحہ بھر میں اتنی مچھلیاں جال میں پھنس گئیں کہ جال کو کشتی والے نہیں اٹھا سکے۔ چنانچہ دو کشتیوں کی مدد سے جال اٹھایا گیا۔ اور دونوں کشتیاں مچھلیوں سے بھر گئیں۔ یہ معجزہ دیکھ کر دونوں کشتی والے جن کی تعداد بارہ تھی سب کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ ان ہی لوگوں کا لقب "حواری" ہے۔

اور بعض علماء کا قول ہے کہ بارہ آدمی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اور ان لوگوں کے ایمانِ کامل اور حُسن نیت کی بنا پر ان لوگوں کو یہ کرامت مل گئی کہ جب بھی ان لوگوں کو بھوک لگتی تو یہ لوگ کہتے کہ یا رُوح اللہ! ہم کو بھوک لگی ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر ہاتھ مار دیتے تو زمین سے دو روٹیاں نکل کر ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جایا کرتی تھیں اور جب یہ لوگ پیاس سے

فریاد کرتے تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر ہاتھ مار دیتے اور نہایت شیریں اور ٹھنڈا پانی ان لوگوں کو مل جایا کرتا تھا اسی طرح یہ لوگ کھاتے پیتے تھے ایک دن ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اے روح اللہ! ہم مومنوں میں سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے روزی حاصل کر کے کھائے۔ یہ سن کر ان بارہ حضرات نے رزقِ حلال کے لیے دھوبی کا پیشہ اختیار کر لیا چونکہ یہ لوگ کپڑوں کو دھو کر سفید کرتے تھے۔ اس لیے "حواری" کے لقب سے پکارے جانے لگے۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے ایک رنگریز کے ہاں ملازم رکھوا دیا تھا۔ ایک دن رنگریز مختلف کپڑوں کو نشان لگا کر چند رنگوں کا رنگنے کے لیے آپ کے سپرد کر کے کہیں باہر چلا گیا۔ آپ نے ان سب کپڑوں کو ایک ہی رنگ کے برتن میں ڈال دیا۔ رنگریز نے گھر آ کر کہا کہ آپ نے سب کپڑوں کو ایک ہی رنگ کا کر دیا۔ حالانکہ میں نے نشان لگا کر مختلف رنگوں کا رنگنے کے لیے کہہ دیا تھا آپ نے فرمایا کہ اے کپڑو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے انھی رنگوں کے ہو جاؤ، جن رنگوں کا یہ چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک ہی برتن میں سے لال، سبز، پیلا جن جن کپڑوں کو رنگریز جس جس رنگ کا چاہتا تھا وہ کپڑا اسی رنگ کا ہو کر نکلنے لگا۔ آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر تمام حاضرین جو سفید پوش تھے اور جن کی تعداد بارہ تھی۔ سب ایمان لائے یہی لوگ "حواری" کہلانے لگے!

حضرت امام قفال علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ممکن۔ ہے کہ ان بارہ حواریوں میں کچھ لوگ بادشاہ ہوں اور کچھ مچھیرے ہوں اور کچھ دھوبی ہوں اور کچھ رنگریز ہوں چونکہ یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص جان نثار تھے اور ان لوگوں کے قلوب اور نیتیں صاف تھیں اس بنا پر ان بارہ پاکبازوں اور نیک نفسوں کو "حواری" کا لقب معزز عطا کیا گیا۔ کیونکہ "حواری" کے معنی مخلص دوست کے ہیں

(جمل ج ۱ ص ۲۷۹ و خازن ج ۱ ص ۳۵۴)

بہر حال قرآن مجید میں حواریوں کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ :-

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡهُمُ الۡكُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشۡهَدۡ بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ۝ (آل عمران رکوع ۵)	تو جب حضرت عیسیٰ نے ان (یہودیوں) سے کفر پایا تو فرمایا- کون اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہوتے ہیں؟ تو حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں دین خدا کے مددگار۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَاِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَبِرَسُوۡلِیۡ ۚ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَاشۡهَدۡ بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ ۝ (المائدہ رکوع ۱۵)	اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو وہ بولے کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

درسِ ہدایت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اگرچہ تعداد میں صرف بارہ تھے۔ مگر یہودیوں کے مقابلہ میں آپ کی نصرت و حمایت میں جس پامردی اور عزم و استقلال کے ساتھ ڈٹے رہے اس سے ہر مسلمان کو دین کے معاملہ میں ثابت قدمی کا سبق ملتا ہے۔

اس قسم کے مخلص احباب اور مخصوص جاں نثار اصحاب اللہ تعالیٰ ہر نبی کو عطا فرماتا ہے، چنانچہ جنگ خندق کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہر نبی کے "حواری" ہوئے ہیں اور میرے حواری "زبیر" ہیں (مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۵۶۵)۔

اور حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ قریش میں بارہ صحابۂ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے "حواری" ہیں جن کے نام نامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت علی

(۵) حضرت حمزہ (۶) حضرت جعفر (۷) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (۸) حضرت عثمان بن مظعون (۹) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۱۰) حضرت سعد بن ابی وقاص (۱۱) حضرت طلحہ بن عبیداللہ (۱۲) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کہ ان مخلص جاں نثاروں نے ہر موقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی نصرت وحمایت کا بے مثال ریکارڈ قائم کر دیا (معالم التنزیل بغوی ج ۱ ص ۳۵۲)

(۱۲) مرتدّین سے جہاد کرنے والے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں چند آدمی اور وفات اقدس کے بعد بہت لوگ اسلام سے مرتد ہونے والے تھے جن سے اسلام کی بقاء کو شدید خطرہ لاحق ہونے والا تھا۔ لیکن قرآن مجید نے برسوں پہلے یہ غیب کی خبر دی اور پیشگوئی فرمادی کہ اس بھیانک اور خطرناک وقت پر اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو پیدا فرمائے گا جو اسلام کی محافظت کرے گی اور وہ ایسی چھ صفتوں کی جامع ہوگی جو تمام دنیوی واخروی فضائل وکمالات کا سرچشمہ ہیں اور یہی چھ صفات ان محافظین اسلام کی علامات اور ان کی پہچان کا نشان ہوں گی اور وہ چھ صفات یہ ہیں:۔

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوں گے (۲) وہ اللہ تعالیٰ سے محبّت کریں گے (۳) وہ مومنین پر بہت مہربان ہوں گے (۴) وہ کافروں کے لیے بہت سخت ہوں گے (۵) وہ خدا کی راہ میں جہاد کریں گے۔ (۶) وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خائف نہیں ہوں گے۔

صاحب تفسیر جمل نے کشاف کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ عرب کے گیارہ قبیلے اسلام قبول کر لینے کے بعد آگے پیچھے اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گئے۔ تین قبائل تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی موجودگی میں اور سات قبیلے حضرت امیر المومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور ایک قبیلہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے

خلیفہ ہونے کے بعد۔ مگر یہ گیارہ قبائل اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود اسلام کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ بلکہ مجاہدینِ اسلام کے سرفروشانہ جہادوں کی بدولت یہ سب مرتدین تہس نہس ہو کر فنا کے گھاٹ اتر گئے اور پرچم اسلام برابر بلند سے بلند تر ہوتا ہی چلا گیا۔ اور قرآن مجید کا وعدہ اور غیب کی خبر بالکل سچ اور صحیح ثابت ہو کر رہی۔

زمانۂ رسالت کے تین مرتد قبائل

(۱) قبیلہ بنی مدلج جس کا رئیس "اسود عنسی" تھا جو "ذوالحمار" کے لقب سے مشہور تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور یمن کے سرداروں کو فرمان بھیجا کہ مرتدین سے جہاد کریں۔ چنانچہ فیروز دیلمی کے ہاتھ سے اسود عنسی قتل ہوا اور اس کی جماعت بکھر گئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بستر علالت پر یہ خوشخبری سنائی گئی کہ اسود عنسی قتل ہو گیا ہے۔ اس کے دوسرے ہی دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہو گیا۔

(۲) قبیلہ بنو حنیفہ جس کا سردار "مسیلمہ کذّاب" تھا جس سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جہاد فرمایا اور لڑائی کے بعد حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مسیلمۃ الکذّاب مقتول ہوا اور اس کا گروہ کچھ قتل ہو گیا اور کچھ دوبارہ دامنِ اسلام میں آ گئے۔

(۳) قبیلہ بنو اسد جس کا امیر طلحہ بن خویلد تھا۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے مقابلہ کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور جنگ کے بعد طلحہ بن خویلد شکست کھا کر ملک شام بھاگ گیا مگر پھر دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور آخری دم تک اسلام پر ثابت قدم رہا اور اس کی فوج کچھ کٹ گئی کچھ تائب ہو کر پھر دوبارہ مسلمان ہو گئے۔

خلافتِ صدیق اکبر کے سات مرتد قبائل

(۱) قبیلہ فزارہ جس کا سردار عُیینہ بن حصن فزاری تھا۔

(۲) قبیلہ غطفان جس کا سردار قرہ بن سلمہ قشیری تھا (۳) قبیلہ بنو سُلیم جس کا سرغنہ فجاءۃ بن یا لیل تھا (۴) قبیلہ بنی یربُوع جس کا سربراہ مالک بن بُریدہ تھا (۵) قبیلہ بنو تمیم جن کی امیر سجاح بنتِ منذر ایک عورت تھی جس نے مسیلمۃ الکذّاب سے شادی کر لی تھی (۶) قبیلۂ کِندہ جو اشعث بن قیس کے پیروکار تھے (۷) قبیلہ بنو بکر جو خطمی بن یزید کے تابعدار تھے۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مرتد ہونے والے ساتوں قبیلوں سے مہینوں تک بڑی خونریز جنگ فرمائی۔ چنانچہ کچھ ان میں سے مقتول ہو گئے اور کچھ توبہ کر کے پھر دامنِ اسلام میں آ گئے۔

دورِ فاروقی کا مرتد قبیلہ

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں صرف ایک ہی قبیلہ مرتد ہوا اور یہ قبیلہ غسّان تھا۔ جس کی سرداری جبلہ بن ایہم کر رہا تھا۔ مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پرچم کے نیچے صحابہ کرام نے جہاد کر کے اس گروہ کا قلع قمع کر دیا اور پھر اس کے بعد کوئی قبیلہ بھی مرتد ہونے کے لیے سر نہیں اٹھا سکا۔

اس طرح مرتد ہونے والے ان گیارہ قبیلوں کا سارا فتنہ و فساد مجاہدینِ اسلام کے جہادوں کی بدولت ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا (جمل ج ا ص ۵۰۲)

ان مرتدین سے لڑنے والے اور ان شریروں کا قلع قمع کرنے والے صحابہ کرام تھے۔ جن کے بارے میں برسوں پہلے قرآنِ مجید نے غیب کی خبر دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ	اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے
یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ	پھرے گا تو عنقریب اللہ ایک ایسی قوم
فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ	کو لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور
یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ	اللہ ان کا پیارا ہو گا۔ وہ مسلمانوں پر نرم

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

(المائدہ رکوع ۸)

اور کافروں پر سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

درسِ ہدایت

ان آیات سے حسبِ ذیل انوارِ ہدایت کی تجلّیاں نمودار ہوتی ہیں۔

(۱) مرتدین کے فتنوں اور شورشوں سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ مرتدوں کے مقابلہ کے لیے ہر دور میں ایک ایسی جماعت کو پیدا فرمادے گا جو تمام مرتدین کی فتنہ پردازیوں کو ختم کر کے اسلام کا بول بالا کرتی رہے گی جن کی چھ نشانیاں ہوں گی۔

(۲) ان آیات بیّنات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنھوں نے مرتدین کے گیارہ قبائل کی شورشوں کو ختم کر کے پرچم اسلام کو بلند سے بلند تر کر دیا۔ یہ صحابہ کرام مندرجہ ذیل چھ عظیم صفات کے شرف سے سرفراز تھے یعنی (۱) صحابہ کرام اللہ کے محبوب ہیں (۲) وہ کافروں کے حق میں بہت سخت ہیں (۳) وہ اللہ تعالیٰ کے محب ہیں (۴) وہ مسلمانوں کے لیے رحم دل ہیں (۵) وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں (۶) وہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنیوالے کا اندیشہ و خوف نہیں رکھتے۔

پھر آیت کے آخر میں خداوند قدوس نے ان صحابہ کرام کے مراتب و درجات کی عظمت و سربلندی پر اپنے فضل و انعام کی مہر ثبت فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بڑی وسعت والا ہے اور

اللہ تعالیٰ ہی کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے فضل کا حقدار ہے۔

اللہ اکبر! سبحان اللہ! کیا کہنا ہے صحابہ کرام کی عظمتوں کی بلندی کا۔ رسول نے صحابہ کرام کے فضل و کمال کا اعلان فرمایا اور خداوند قدوس نے ان لوگوں کے جامع الکمالات ہونے کا قرآن مجید میں خطبہ پڑھا۔

(۱۳) کافروں کی مایوسی

ہجرت کے بعد گو برابر اسلام ترقی کرتا رہا اور ہر محاذ پر کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتوحات بھی حاصل ہوتی رہیں اور کفار اپنی چالوں میں ناکام و نامراد بھی ہوتے رہے۔ مگر پھر بھی کفار برابر اسلام کی بیخ کنی میں مصروف ہی رہے اور یہ آس لگائے ہوئے تھے کہ کسی نہ کسی دن ضرور اسلام مٹ جائے گا اور پھر عرب میں بت پرستی کا چرچا ہو کر رہے گا۔ کفار اپنی اسی موہوم امید کی بنا پر برابر اپنی اسلام دشمن اسکیموں میں لگے رہے اور طرح طرح کے فتنے برپا کرتے رہے۔

مگر ۱۰ھ حجۃ الوداع کے موقع پر جب کافروں نے مسلمانوں کا عظیم مجمع میدانِ عرفات میں دیکھا اور ان ہزاروں مسلمانوں کے اسلامی جوش اور رسول کے ساتھ ان کے والہانہ جذبات عقیدت کا نظارہ دیکھ لیا۔ تو کفار کے حوصلوں اور ان کی موہوم امیدوں پر اوس پڑ گئی اور وہ اسلام کی تباہی و بربادی سے بالکل ہی مایوس ہو گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کی عکاسی کرتے ہوئے خاص میدانِ عرفات میں بعد عصر یہ آیات نازل ہوئیں (جمل ج ۱ ص ۴۶۲)

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	آج تمھارے دین کی طرف سے کافروں
مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْھُمْ	کی آس ٹوٹ گئی تو ان سے مت ڈرو
وَاخْشَوْنِ ط اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ	اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمھارا
لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ	دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ — پوری کر دی اور تمھارے لیے
لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا — اسلام کو دین پسند کیا

(المائدہ رکوع ۱)

روایت ہے کہ ایک یہودی نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تمھاری کتاب میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر ہم یہودیوں پر ایسی آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم لوگ اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ تو آپ نے فرمایا کہ کون سی آیت؟ تو اس نے کہا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ والی آیت۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس دن اور جس جگہ اور جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہم اس کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں وہ جمعہ کا دن تھا اور عرفات کا میدان تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کے بعد خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس آیت کے نزول کے دن تو ہماری دو عیدیں تھیں۔ ایک تو عرفہ کا دن یہ بھی ہماری عید کا دن ہے۔ دوسرے جمعہ کا دن یہ بھی ہماری عید ہی کا دن ہے اس لیے اب الگ سے ہم کو عید منانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ (جمل ج ۱ ص ۴۶۲)

یہ بھی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے دریافت فرمایا کہ اے عمر! تم روتے کیوں ہو؟ تو آپ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارا دین روز بروز بڑھتا جا رہا ہے لیکن اب جبکہ یہ دین کامل ہو گیا ہے تو یہ قاعدہ ہے کہ "ہر کمالے را زوالے" کہ جو چیز اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے وہ گھٹنا شروع ہو جاتی ہے پھر اس آیت سے وفات نبوی کی طرف بھی اشارہ مل رہا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دین کو کامل کرنے ہی کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے تو جب دین کامل ہو چکا تو ظاہر ہے کہ حضور اب اس دنیا میں رہنا پسند نہیں فرمائیں گے

(جمل ج ۱ ص ۴۶۲)

درس ہدایت (۱) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس بات پر مہر لگا دی کہ اب کافروں کی کوئی جدو جہد اور کوشش بھی اسلام کو ختم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ کفار کی امید و آس پر نا امیدی و یاس کے بادل چھا گئے ہیں۔ کیونکہ ان کا اسلام کو مٹا دینے کا خواب اب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا

(۲) اس آیت نے اعلان کر دیا کہ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام میں فلاں فلاں مسائل ناقص رہ گئے ہیں یا اسلام میں کچھ ترمیم اور اضافہ کی ضرورت ہے تو وہ شخص کذاب اور جھوٹا ہے اور در حقیقت وہ قرآن کی تکذیب کرنے والا ملحد اور اسلام سے خارج ہے۔ دین اسلام بلا شبہ یقیناً کامل و مکمل ہو چکا ہے اس پر ایمان رکھنا ضروریات دین میں سے ہے۔

(۱۴) اسلام اور سادھو کی زندگی

علمائے تفسیر کا بیان ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا اور قیامت کی ہولناکیوں کا اس انداز میں بیان فرمایا کہ سامعین متاثر ہو کر زار و قطار رونے لگے، اور لوگوں کے دل دہل گئے اور لوگ اس قدر خوف و ہراس سے لرزہ بر اندام ہو گئے کہ دس جلیل القدر صحابہ کرام حضرت عثمان بن مظعون جُمحی کے مکان پر جمع ہوئے جن میں حضرت ابو بکر صدیق و حضرت علی و حضرت عبد اللہ بن مسعود و حضرت عبد اللہ بن عمر و حضرت ابو ذر غفاری و حضرت سالم و حضرت مقداد و حضرت سلمان فارسی و حضرت معقل بن مقرن و حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تھے اور ان حضرات نے آپس میں مشورہ کر کے یہ منصوبہ بنایا کہ اب آج سے ہم لوگ سادھو بن کر زندگی بسر کریں گے، ٹاٹ وغیرہ کے موٹے کپڑے پہنیں گے اور روزانہ دن بھر روزے رکھ کر ساری رات عبادت کریں گے بستر پر نہیں سوئیں گے اور اپنی عورتوں سے الگ رہیں گے اور گوشت چربی اور گھی وغیرہ

کوئی مرغن غذا نہیں کھائیں گے نہ کوئی خوشبو لگائیں گے اور سادھو بن کر روئے زمین میں گشت کرتے پھریں گے۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے اس منصوبہ کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ مجھے ایسی ایسی خبر معلوم ہوئی ہے تم بتاؤ کہ واقعہ کیا ہے؟ تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضور کو جو اطلاع ملی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اور اس منصوبہ سے بجز نیکی اور خیر طلب کرنے کے ہمارا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال نبوت پر قدرے جلال کا ظہور ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ میں جو دین لے کر آیا ہوں اس میں ان باتوں کا حکم نہیں ہے۔ سنو! تمھارے اوپر تمھاری جانوں کا بھی حق ہے۔ لہٰذا کچھ دنوں روزہ رکھو اور کچھ دنوں میں کھاؤ پیو اور رات کے کچھ حصّے میں جاگ کر عبادت کرو اور کچھ حصّے میں سو رہا کرو۔ دیکھو میں اللہ کا رسول ہو کر کبھی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی روزہ نہیں بھی رکھتا ہوں۔ اور گوشت، چربی، گھی بھی کھاتا ہوں۔ اچھے کپڑے بھی پہنتا ہوں اور اپنی بیویوں سے بھی تعلّق رکھتا ہوں اور خوشبو بھی استعمال کرتا ہوں یہ میری سنت ہے اور جو مسلمان میری سنّت سے منہ موڑے گا وہ میرے طریقے پر اور میرے فرماں برداروں میں سے نہیں ہے اس کے بعد صحابہ کرام کا ایک مجمع جمع فرما کر آپ نے نہایت ہی مؤثر وعظ بیان فرمایا جس میں آپ نے برملا یہ ارشاد فرمایا کہ سن لو! میں تمھیں اس بات کا حکم نہیں دیتا کہ تم لوگ سادھو بن کر راہبانہ زندگی بسر کرو میرے دین میں گوشت وغیرہ لذیذ غذاؤں اور عورتوں کو چھوڑ کر اور تمام دنیاوی کاموں سے قطع تعلق کر کے سادھوؤں کی طرح کسی کٹی یا پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ رہنا یا زمین میں گشت لگاتے رہنا ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ سن لو! میری امّت کی سیاحت جہاد ہے اس لیے تم لوگ بجائے زمین میں گشت کرتے رہنے کے جہاد کرو اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کی

پابندی کرتے ہوئے خدا کی عبادت کرتے رہو اور اپنی جانوں کو سختی میں نہ ڈالو۔ کیونکہ تم لوگوں سے پہلے اگلی امتوں میں جن لوگوں نے سادھو بن کر اپنی جانوں کو سختی میں ڈالا، تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان لوگوں پر سخت سخت احکام نازل فرماکر انھیں سختی میں مبتلا فرمادیا جن احکام کو وہ لوگ نباہ نہ سکے اور بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑ کر وہ لوگ ہلاک ہو گئے (جمل ج ۱ ص ۵۲۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وعظ کے بعد ہی سورہ مائدہ کی مندرجہ ذیل آیات شریفہ نازل ہوگئیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ (المائدہ رکوع ۱۲)	اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو بیشک حد سے بڑھنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اور کھاؤ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمھیں حلال و پاکیزہ روزی دی۔ اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس پر تم ایمان لاتے ہو۔

درس ہدایت

ان آیات سے سبق ملتا ہے کہ اسلام میں سادھو بن کر زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں ہے، عمدہ غذاؤں اور اچھے کپڑوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا کر اور بیوی بچوں سے قطع تعلق کر کے سادھوؤں کی طرح کسی کٹی میں دھونی رما کر بیٹھ رہنا۔ یا جنگلوں اور بیابانوں میں چکر لگاتے رہنا یہ ہرگز ہرگز اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو کہ جو مفت خور بابا لوگ اس طرح کی زندگی گذار کر اپنی درویشی کا ڈھونگ رچا کر کٹیوں یا میدانوں میں بیٹھے ہوئے اپنی بابائیت کا پرچار کر رہے ہیں اور جاہلوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسے ہوئے ہیں۔ خوب آنکھ کھول کر دیکھ لو اور کان کھول کر سن لو کہ یہ سادھوؤں کا رنگ ڈھنگ

اسلامی طریقہ نہیں ہے بلکہ اصل اور سچا اسلام وہی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور ان کے مقدس طریقے کے مطابق ہو۔ لہٰذا جو شخص سنتوں کا دامن تھام کر زندگی بسر کر رہا ہو، در حقیقت اسی کی زندگی اسلامی زندگی ہے اور صوفیہ کرام کی درویشانہ زندگی بھی یہی ہے، خوب سمجھ لو کہ نبوت کی سنتوں کو چھوڑ کر زندگی کا جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے وہ در حقیقت نہ اسلامی زندگی ہے نہ صوفیہ کی درویشانہ زندگی۔ لہٰذا آجکل جن باباؤں نے راہبانہ اور سادھوؤں کی زندگی اختیار کر رکھی ہے ان کے اس طرز عمل کو اسلام اور بزرگی سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے مسلمانوں کو اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ اور ہرگز ہرگز ایسے بے شرع لوگوں کے پاس آمد و رفت نہیں رکھنی چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ یہ سب مکر و کید کا خوبصورت جال بچھائے ہوئے ہیں جس میں بھولے بھالے عقیدت مند مسلمان پھنستے رہتے ہیں اور اس بہانے بابا لوگ اپنا اُلّو سیدھا کرتے رہتے ہیں۔ ایک سچی حقیقت کا اظہار اور حق کا اعلان ہم عالموں کا فرض ہے جس کو ہم ادا کر رہے ہیں ؎

مانو نہ مانو آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے جائیں گے

(۱۵) دو بڑے ایک چھوٹا دشمن

قرآن مجید نے بار بار اس مسئلہ پر روشنی ڈالی اور اعلان فرمایا کہ ہر کافر مسلمان کا دشمن ہے اور کفار کے دل و دماغ میں مسلمان کے خلاف ایک زہر بھرا ہوا ہے اور ہر وقت اور ہر موقع پر کافروں کے سینے مسلمانوں کی عداوت اور کینے سے آگ کی بھٹی کی طرح جلتے رہتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کفار کے تین مشہور فرقوں یہود مشرکین اور نصاریٰ ہیں سے مسلمانوں کے سب سے بڑے اور سخت ترین دشمن کون ہیں؟ اور کون فرقہ ہے جس کے دل میں نسبتاً مسلمانوں کی دشمنی کم ہے؟ تو اس

سوال کے جواب میں سورہ مائدہ کی مندرجہ ذیل آیت شریفہ نازل ہوئی ہے۔ لہذا اس پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اپنے بڑے اور چھوٹے دشمنوں کو پہچان کر ان سبھوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ	ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑا
عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا	دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے
الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ج	اور ضرور تم مسلمانوں کی دوستی میں سب
وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً	سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ
اِنَّا نَصٰرٰى ط ذٰلِكَ بِاَنَّ	اس لیے کہ ان لوگوں میں کچھ عالم
مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا	اور کچھ درویش ہیں اور یہ لوگ
وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ہ	غرور نہیں کرتے۔

(المائدہ رکوع ۱۱)

درس ہدایت اس آیت کی روشنی میں گذشتہ تواریخ کے صفحات کی ورق گردانی کر کے اپنے ایمان کو مزید اطمینان بخشیے کہ یہودیوں اور مشرکوں نے مسلمانوں کے ساتھ جیسی جیسی سخت عداوتوں کا مظاہرہ کیا ہے عیسائیوں نے ان لوگوں سے بہت کم مسلمانوں کے ساتھ برا برتاؤ کیا ہے اور یہودیوں اور مشرکوں نے مسلمانوں پر جیسے جیسے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ عیسائیوں نے اس درجہ مسلمانوں پر مظالم نہیں کئے ہیں لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ یہود ومشرکین کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کر کے کبھی بھی ان لوگوں پر اعتماد نہ کریں اور ہمیشہ ان بدترین دشمنوں سے ہوشیار رہیں اور عیسائیوں کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھیں کہ یہ بھی مسلمانوں کے دشمن ہی ہیں مگر پھر بھی ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لیے کچھ نرم گوشے بھی ہیں اس لیے یہ یہودیوں اور مشرکوں کی بہ نسبت کم درجے کے دشمن ہیں یہی اس آیت مبارکہ کا خلاصہ مطلب ہے جو مسلمانوں کے واسطے ان کے چھوٹے بڑے

دشمنوں کی پہچان کے لیے بہترین شمع راہ بلکہ روشنی کا منارہ ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۶) انبیاء کے قاتل

قرآن مجید نے متعدد جگہ پر یہودیوں کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں کا تفصیلی بیان کرتے ہوئے بار بار یہ اعلان فرمایا ہے کہ ان ظالموں نے اپنے انبیاء اور پیغمبروں کو بھی قتل کیے بغیر نہیں چھوڑا چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ	بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ	ساتھ کفر کرتے ہیں۔ اور ناحق پیغمبروں
بِغَيْرِ حَقٍّ ز وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ	کو قتل کرتے ہیں اور (نبیوں کے سوا)
يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ	جو لوگ ان کو انصاف کرنے کا حکم
النَّاسِ لا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ	دیتے ہیں ان کو بھی قتل کرتے ہیں تو ان
اَلِيْمٍ (آلِ عمران رکوع ۲)	کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں نے ایک دن میں تینتالیس نبیوں اور ایک سو ستر صالحین کو قتل کر دیا تھا جو ان کو اچھی باتوں کا حکم دیا کرتے تھے (تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۵۵)

چنانچہ حضرت یحییٰ و حضرت زکریا علیہما السلام کی شہادت بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

حضرت یحییٰ کی شہادت

ابن عساکر نے "المستقصی فی فضائل الاقصیٰ" میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ دمشق کے بادشاہ "حداد بن حدار" نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔ پھر وہ چاہتا تھا کہ بغیر حلالہ اس کو واپس کر کے اپنی بیوی

بنالے۔ اس نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اب تم پر حرام ہو چکی ہے اس کی بیوی کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئی چنانچہ اس نے بادشاہ کو مجبور کر کے قتل کی اجازت حاصل کر لی اور جبکہ وہ "مسجد جبرون" میں نماز پڑھ رہے تھے بحالت سجدہ ان کو قتل کرا دیا اور ایک طشت میں ان کا سر مبارک اپنے سامنے منگوایا مگر کٹا ہوا سر اس حالت میں بھی یہی کہتا رہا کہ "تُو بغیر حلالہ کرائے بادشاہ کے لیے حلال نہیں" اور اسی حالت میں اس پر خدا کا یہ عذاب نازل ہو گیا کہ وہ عورت سر مبارک کے ساتھ زمین میں دھنس گئی (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۵)

حضرت زکریا کا مقتل

یہودیوں نے جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو پھر ان کے والد ماجد حضرت زکریا علیہ السلام کی طرف یہ ظالم لوگ متوجہ ہوئے کہ ان کو بھی شہید کر دیں۔ مگر جب حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دیکھا تو وہاں سے ہٹ گئے اور ایک درخت کے شگاف میں روپوش ہو گئے یہودیوں نے اس درخت پر آرہ چلا دیا۔ جب آرہ حضرت زکریا علیہ السلام پر پہنچا تو خدا کی وحی آئی کہ خبردار اے زکریا! (علیہ السلام) اگر آپ نے کچھ بھی آہ وزاری کی تو ہم پوری روئے زمین کو تہ و بالا کر دیں گے۔ اور اگر تم نے صبر کیا تو ہم بھی ان یہودیوں پر اپنا عذاب نازل کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام نے صبر کیا اور ظالم یہودیوں نے درخت کے ساتھ ان کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے۔

(تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۵۲)

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ کس جگہ پیش آیا؟ پہلا قول تو یہ ہے کہ "مسجد جبرون" میں شہادت ہوئی۔ مگر حضرت سفیان ثوری نے شمر بن عطیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی اور قربان گاہ کے درمیان آپ شہید کیے گئے جس جگہ آپ سے پہلے ستر انبیاء علیہم السلام کو یہودی قتل کر چکے تھے۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۲ ص ۵۵)

بہر حال یہ سب کو مسلم ہے کہ یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو آپ نے علی الاعلان اپنی دعوت حق کا وعظ شروع کر دیا اور بالآخر یہودیوں نے آپ کے قتل کا بھی منصوبہ بنالیا۔ بلکہ قتل کے لیے آپ کے مکان میں ایک یہودی داخل بھی ہو گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بدلی بھیج کر آسمان پر اٹھا لیا جس کا مفصل واقعہ ہماری کتاب "عجائب القرآن" میں مذکور ہے۔

درس ہدایت

حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام کی شہادت کے واقعات اور حالات سے اگرچہ حقیقت میں نگاہیں بہت سے نتائج حاصل کر سکتی ہیں۔ تاہم چند باتیں خصوصی طور پر قابلِ توجہ ہیں :۔

(۱) دنیا میں ان یہودیوں سے زیادہ شقی القلب اور بدبخت کوئی اور نہیں ہو سکتا جو حضرات انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے۔ حالانکہ یہ برگزیدہ اور مقدس ہستیاں نہ کسی کو ستاتی تھیں نہ کسی کے مال و دولت پر ہاتھ ڈالتی تھیں بلکہ بغیر کسی اُجرت و عوض کے لوگوں کی اصلاح کر کے انھیں فلاح و سعادت دارین کی عزتوں سے سرفراز کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن سب سے بڑے اور زیادہ عذاب کا مستحق کون ہو گا؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

رَجُلٌ قَتَلَ نَبِيًّا اَوْ مَنْ	وہ شخص جو کسی نبی کو یا ایسے شخص کو
اَمَرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهٰى	قتل کرے جو بھلائی کا حکم دیتا ہو
عَنِ الْمُنْكَرِ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۵۵)	اور برائی سے روکتا ہو۔

بہر حال ظالم یہودیوں نے اپنی شقاوت سے خدا کے نبیوں کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا اور جس بے دردی کے ساتھ ان مقدس نفوس کا خون بہایا اقوام عالم میں اسکی مثال نہیں مل سکتی۔ اس لیے خداوند قہار و جبار نے اپنے قہر و غضب سے ان ظالموں کو دونوں جہان میں ملعون کر دیا۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان ملعونوں سے ہمیشہ

نفرت و دشمنی رکھے!

(۲) بنی اسرائیل چونکہ مختلف قبائل میں تقسیم تھے اس لیے ان کے درمیان ایک ہی وقت میں متعدد نبی اور پیغمبر مبعوث ہوتے رہے اور ان سب نبیوں کی تعلیمات کی بنیاد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت ہی رہی اور ان سب انبیاء کرام علیہم السلام کی حیثیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائبین کی رہی!

(۳) علماء کرام کو اپنی زندگی کی آخری سانس تک حق پر ڈٹ کر اس کی تبلیغ کرتے رہنا چاہیے اور حق کے معاملہ میں اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا کہ سر کٹ جانے کے بعد بھی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے کٹے ہوئے سر سے یہی آواز آتی رہی کہ تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ کرائے ہوئے عورت سے اس کا شوہر دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۷) منافقوں کی ایک سازش

جنگ اُحد کا مکمل اور مفصل بیان تو ہم اپنی کتاب "سیرۃ المصطفیٰ" میں تحریر کر چکے ہیں مگر ہم یہاں تو صرف منافقوں کی ایک خطرناک سازش کا ذکر کر رہے ہیں جو جنگ اُحد کے دن ان بدبختوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کی تھی۔ جس پر قرآن مجید نے روشنی ڈالی ہے اور جو بہت ہی قابلِ عبرت اور نہایت ہی نصیحت آموز ہے اور وہ یہ ہے کہ۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر جنگ کے لیے نکلے تو ایک ہزار کا لشکر پرچم نبوت کے نیچے تھا۔ اس لشکر میں تین سو منافقین بھی عبداللہ بن اُبی کی سرکردگی میں ہم رکاب تھے۔ منافقین پہلے ہی کفارِ مکہ کے ساتھ یہ سازش کر چکے تھے کہ مخلص مسلمانوں کو بزدل بنانے کے لیے یہ طریقہ

اختیار کریں گے کہ شروع میں مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ نکلیں گے پھر مسلمانوں سے کٹ کر مدینہ واپس آجائیں گے۔ چنانچہ منافقوں کا سردار یہ بہانہ بنا کر لشکر اسلام سے کٹ کر جدا ہو گیا کہ حبب محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے ہم تجربہ کاروں کی بات نہیں مانی کہ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کرنی چاہیے۔ بلکہ الھڑ نوجوانوں کی بات مان کر مدینہ سے نکل پڑے تو ہم کو کیا ضرورت ہے کہ ہم اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔ مگر الحمد للہ! کہ منافقوں کا مقصد پورا نہیں ہوا کیونکہ مخلص مسلمانوں پر ان لوگوں کے لشکر اسلام سے جدا ہو جانے کا مطلق کوئی اثر نہیں پڑا۔ البتہ مسلمانوں کے دو قبیلے "بنو سلمہ" و "بنو حارثہ" میں کچھ تھوڑی سی بددلی اور بزدلی پیدا ہو چلی تھی مگر مخلص مسلمانوں کے جوشِ جہاد کو دیکھ کر ان دونوں قبیلوں کی بھی ہمت بلند ہو گئی اور یہ لوگ بھی ثابت قدم رہ کر پورے جاں نثارانہ جذبات سرفروشی کے ساتھ مشرکین کے دل بادل لشکروں سے ٹکرا گئے اور آخری دم تک پرچم نبوت کے زیر سایہ مشرکوں سے جنگ کرتے رہے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ	اور یاد کرو اے محبوب جب صبح کو تم اپنے
تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ	دولت خانہ سے برآمد ہو کر مسلمانوں کو لڑائی
لِلْقِتَالِ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ہ	کے مورچوں پر قائم کر رہے تھے اور اللہ
اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ	سب سنتا اور جانتا ہے جب تم میں کے
اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ط	دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ بزدلی کر بیٹھیں
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ہ	اور اللہ انکا مددگار ہے اور مسلمانوں کو اللہ
(آل عمران رکوع ۱۳)	ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے

غرض جنگ احد میں منافقوں کی یہ خطرناک سازش اور خوفناک تدبیر بالکل ناکام ہو کر رہ گئی اور بحمد اللہ اگرچہ ستر مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا لیکن آخر میں فتح مبین نے پیغمبر کے قدمِ نبوت کا بوسہ لیا اور مشرکین ناکام ہو کر میدانِ جنگ چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے گئے اور پرچم اسلام بلند ہی رہا۔

درسِ ہدایت اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ اگر مومنین اخلاصِ نیت کے ساتھ متحد ہو کر میدانِ جنگ میں کافروں کے ساتھ جواں مردی اور اولوالعزمی کے ساتھ جہاد میں ڈٹے رہیں تو منافقوں اور کافروں کی ہر سازش و تدبیر کو خداوند قدوس ناکام بنا دیتا ہے مگر یہ حقیقت بڑی ہی صداقت مآب ہے کہ ؎

برائے فتح پہلی شرط ہے ثابت قدم رہنا
جماعت کو بہم رکھنا، جماعت کا بہم رہنا

(۱۸) حضرت اِلیاس علیہ السّلام

یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ بیشتر مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور ان کا نسب نامہ یہ ہے۔ الیاس بن یاسین بن فنحاس بن عیزار بن ہارون علیہ السلام۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت کے متعلق مفسرین و مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ شام کے باشندوں کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے اور "بعلبک" کا مشہور شہر ان کی رسالت و ہدایت کا مرکز تھا۔

ان دنوں "بعلبک" شہر پر "ارحب" نامی بادشاہ کی حکومت تھی جو ساری قوم کو بُت پرستی پر مجبور کیے ہوئے تھا اور ان لوگوں کا سب سے بڑا بت "بَعل" تھا جو سونے کا بنا ہوا تھا اور بیس گز لمبا تھا اور اس کے چار چہرے بنے ہوئے تھے اور چار سو خدام اس بت کی خدمت کرتے تھے جن کو ساری قوم بیٹوں کیطرح مانتی تھی اور اس بت میں سے شیطان کی آواز آتی تھی جو لوگوں کو بُت پرستی اور شرک کا حکم سنایا کرتا تھا اس ماحول میں حضرت الیاس علیہ السلام ان لوگوں کو توحید اور خدا پرستی کی دعوت دینے لگے مگر قوم ان پر ایمان نہیں لائی۔ بلکہ شہر کا بادشاہ

"ارحب" ان کا دشمنِ جاں بن گیا اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ آپ شہر سے ہجرت فرما کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں میں روپوش ہو گئے اور پورے سات برس تک خوف و ہراس کے عالم میں رہے اور جنگلی گھاسوں اور جنگل کے پھولوں اور پھلوں پر زندگی بسر فرماتے رہے بادشاہ نے آپ کی گرفتاری کے لیے بہت سے جاسوس مقرر کر دیئے تھے۔ آپ نے مشکلات سے تنگ آ کر یہ دعا مانگی کہ الٰہی! مجھے ان ظالموں سے نجات اور راحت عطا فرما تو آپ پر وحی آئی کہ تم فلاں دن فلاں جگہ پر جاؤ اور وہاں جو سواری ملے بلاخوف اس پر سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ اس دن اس مقام پر آپ پہنچے تو ایک سرخ رنگ کا گھوڑا کھڑا تھا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے اور گھوڑا چل پڑا تو آپ کے چچازاد بھائی حضرت "الیسع" علیہ السلام نے آپ کو پکارا اور عرض کیا کہ اب میں کیا کروں؟ تو آپ نے اپنا کمبل ان پر ڈال دیا۔ یہ نشانی تھی کہ میں نے تم کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے اپنا خلیفہ بنا دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل فرما دیا اور آپ کو کھانے اور پینے سے بے نیاز کر دیا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی جماعت میں شامل فرما لیا اور حضرت الیسع علیہ السلام نہایت عزم و ہمت کے ساتھ لوگوں کو ہدایت کرنے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر دم ہر قدم پر ان کی مدد فرمائی اور بنی اسرائیل آپ پر ایمان لائے اور آپ کی وفات تک ایمان پر قائم رہے۔

حضرت الیاس کے معجزات

اللہ تعالیٰ نے تمام پہاڑوں اور حیوانات کو آپ کیلئے مسخر فرما دیا اور آپ کو ستر انبیاء کی طاقت بخش دی اور غضب و جلال اور قوت و طاقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم پلہ بنا دیا۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال کے روزے بیت المقدس میں ادا کرتے ہیں اور ہر سال حج کے لیے مکہ مکرمہ جایا کرتے ہیں اور سال کے باقی دنوں میں حضرت الیاس علیہ السلام

تو جنگلوں اور میدانوں میں گشت فرماتے رہتے ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام دریاؤں اور سمندروں کی سیر فرماتے رہتے ہیں اور یہ دونوں حضرات آخری زمانے میں وفات پائیں گے۔ جبکہ قرآن مجید اٹھا لیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے ایک حدیث مروی ہے کہ ہم لوگ ایک جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو راستہ میں ایک آواز آئی کہ یا اللہ! تو مجھ کو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمّت میں بنا دے جو امت مرحومہ اور مستجاب الدعوات ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے انس! تم اس آواز کا پتا لگاؤ تو میں پہاڑ میں داخل ہوا۔ تو اچانک یہ نظر آیا کہ ایک آدمی نہایت سفید کپڑوں میں ملبوس لمبی داڑھی والا نظر آیا جب اس نے مجھے دیکھا تو پوچھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی ہو؟ تو میں نے عرض کیا کہ جی ہاں تو انھوں نے فرمایا کہ تم جاکر حضور سے میرا سلام عرض کرو اور یہ کہہ دو کہ آپ کے بھائی الیاس (علیہ السلام) آپ سے ملاقات کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے واپس آکر حضورؐ سے سارا معاملہ عرض کیا تو آپ مجھ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور جب آپ ان کے قریب پہنچ گئے تو میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھر دونوں صاحبان دیر تک گفتگو فرماتے رہے اور آسمان سے ایک دسترخوان اتر پڑا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بلا بھیجا اور میں نے دونوں حضرات کے ساتھ میں کھانا کھایا۔ جب ہم لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آسمان سے ایک بدلی آئی اور وہ حضرت الیاس علیہ السلام کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئی اور میں ان کے سفید کپڑوں کو دیکھتا رہ گیا (صاوی ج ۳ ص ۲۸۶)

حضرت الیاس اور قرآن

قرآن مجید میں حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ دو جگہ آیا ہے۔ سورۂ انعام میں اور سورۂ والصّٰفّٰت میں۔ سورہ انعام میں تو صرف ان کو انبیاء علیہم السلام کی فہرست میں شمار کیا ہے اور سورۂ والصّٰفّٰت میں آپ کی بعثت اور قوم کی ہدایت کے متعلق مختصر طور پر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ انعام میں ہے:-

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ
وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ
وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ط
وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ o
وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى
وَاِلْيَاسَ ط كُلٌّ مِّنَ
الصّٰلِحِيْنَ o وَاِسْمٰعِيْلَ
وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ط
وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ o
(الانعام رکوع ۱۰)

اور حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے
داؤد، سلیمان و ایوب و یوسف
و موسیٰ و ہارون کو اور ہم ایسا ہی
بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو، اور
زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس کو یہ سب
ہمارے قرب کے لائق ہیں۔
اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس
اور لوط کو۔ اور ہم نے ہر ایک کو اس
کے وقت میں سب جہان والوں پر
فضیلت دی ہے۔

اور سورہ والصّٰفّٰت میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ :۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ o
اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اَلَا تَتَّقُوْنَ o
اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ
اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ لا
اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ
الْاَوَّلِيْنَ o فَكَذَّبُوْهُ
فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ لا
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ o
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى
الْاٰخِرِيْنَ لا سَلٰمٌ عَلٰى
اِلْ يَاسِيْنَ o اِنَّا كَذٰلِكَ
نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ o اِنَّهٗ

اور بیشک الیاس پیغمبروں میں سے
ہیں جب انھوں نے اپنی قوم سے
فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں۔ کیا بعل کو
پوجتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑے
ہوئے ہو یعنی اللہ کو جو رب ہے تمھارا
اور تمھارے اگلے باپ دادوں کا۔ پھر
لوگوں نے انھیں جھٹلا دیا تو وہ لوگ
ضرور پکڑ کر لائے جائیں گے۔ بجز اللہ
کے برگزیدہ بندوں کے۔ اور ہم نے
پچھلوں میں ان کی تعریف باقی رکھی
اور سلام ہو الیاس پر۔ بیشک ہم ایسا
ہی بدلہ دیتے ہیں نیک بندوں کو بیشک

مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان
(الصّٰفّٰت رکوع ۴) بندوں میں سے ہیں ۔

درسِ ہدایت حضرت الیاس علیہ السّلام اور ان کی قوم کا واقعہ اگرچہ قرآن مجید میں بہت ہی مختصر مذکور ہے تاہم اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ یہودیوں کی ذہنیت اس قدر مسخ ہو گئی تھی کہ کوئی ایسی بُرائی نہیں تھی جس کے کرنے پر یہ لوگ حریص نہ ہوں باوجودیکہ ان میں ہدایت کے لئے مسلسل انبیاء کرام تشریف لاتے رہے مگر پھر بھی بُت پرستی، کواکب پرستی اور غیر اللہ کی عبادت ان لوگوں سے نہ چھوٹ سکی۔ پھر یہ لوگ اعلیٰ درجے کے جھوٹے، بدعہد اور رشوت خور بھی رہے اور اللہ تعالیٰ کے مقدس نبیوں کو ایذائیں دینا اور ان کو قتل کر دینا ان ظالموں کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ بہرحال ان ظالموں کے واقعات سے جہاں ان لوگوں کی بدبختی وکجروی اور مجرمانہ شقاوت پر روشنی پڑتی ہے۔ وہیں ہم لوگوں کو یہ نصیحت وعبرت بھی حاصل ہوتی ہے کہ اب جب کہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا تو ہمارے لئے بیحد ضروری ہے کہ خُدا کے آخری پیغام یعنی اسلام پر مضبوطی سے قائم رہ کر یہودیوں کے ظالمانہ طریقوں کی مخالفت کریں اور کفار کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کر کے خدا کے مقدس نبیوں کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۹) جنگ بدر کی بارش

جنگِ بدر کا مفصّل حال تو ہم اپنی کتاب "سیرۃُ المصطفیٰ" میں مکمل لکھ چکے ہیں۔ یہاں جنگِ بدر میں نصرتِ الٰہی نے بارش کی صورت میں جو تجلّی فرمائی جس سے میدانِ جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا اس کا ہم ایک جلوہ دکھا رہے ہیں۔

واقعہ یہ ہوا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین سَو تیرہ صحابۂ کرام کی جماعت

کو ہمراہ لے کر مقامِ بدر میں تشریف لے گئے اور بدر کے قریب پہنچ کر مدینہ کی جانب والے رُخ "عُدوۃ الدنیا" پر خیمہ زن ہو گئے اور مشرکین آگے بڑھے تو بدر پہنچ کر مدینہ سے دور مکہ کی جانب والے "عدوۃ القصویٰ" پر اُترے اور محاذِ جنگ کا نقشہ اس طرح بنا کہ مشرکین اور مسلمان بالکل آمنے سامنے تھے مگر مسلمانوں کا محاذِ جنگ اس قدر ریتیلا تھا کہ انسانوں اور گھوڑوں دونوں کے قدم ریت میں دھنسے جا رہے تھے اور وہاں چلنا پھرنا دشوار تھا اور مشرکین کا محاذِ جنگ بالکل ہموار اور پختہ فرش کی طرح تھا۔ غرض دشمن تعداد میں تین گنے سے زیادہ، سامانِ جنگ سے پوری طرح مکمل رسل و رسائل میں ہر طرح مطمئن تھے۔ پھر مزید برآں ان کا محاذِ جنگ بھی اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے نہایت عمدہ تھا۔ ان سہولتوں کے علاوہ پانی کے سب کنوئیں بھی دشمنوں ہی کے قبضے میں تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو پانی کی بیحد تکلیف تھی خود پینے کے لیے کہاں سے پانی لائیں؟ جانوروں کو کیسے سیراب کریں؟ وضو اور غسل کی کیا صورت ہو؟ غرض صحابہ کرام انتہائی فکرمند اور پریشان تھے۔ اس موقع پر شیطان نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ اے مسلمانو! تم گمان کرتے ہو کہ تم حق پر ہو اور تم میں اللہ کا رسول بھی موجود ہے اور تم اللہ والے ہو اور حال یہ ہے کہ مشرکین پانی پر قابض ہیں اور تم بغیر وضو و غسل کے نمازیں پڑھتے ہو اور تم اور تمہارے جانور پیاس سے بے تاب ہو رہے ہیں۔

اس موقع پر ناگہاں نصرتِ آسمانی نے اس طرح جلوہ سامانی فرمائی کہ زوردار بارش ہو گئی جس نے مسلمانوں کے لیے ریتیلی زمین کو جما کر پختہ فرش کی طرح ہموار بنا دیا اور نشیب کی وجہ سے حوض نما گڑھوں میں پانی کا ذخیرہ مہیا کر دیا اور دشمنوں کی زمین کو کیچڑ والی دلدل بنا دیا۔ جس پر کافروں کا چلنا پھرنا دشوار ہو گیا اور مسلمان ان پانی کے ذخیروں کی وجہ سے کنوؤں سے بے نیاز ہو گئے اور مسلمانوں کے دلوں سے شیطانی وسوسہ دور ہو گیا اور لوگ مطمئن ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس عجیب و غریب بارش کی منظر کشی ان الفاظ

میں فرمائی ہے کہ :۔

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ؕ (الانفال رکوع ۲)	اور اللہ نے آسمان سے تم پر پانی اتارا کہ تمھیں اس سے ستھرا کر دے اور ناپاک شیطانی وسوسہ کو تم سے دور کر دے۔ اور تمھارے دلوں کو ڈھارس بندھائے اور اس سے تمھارے قدم جما دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بدر میں اس ناگہانی بارش کے چار فائدے بیان فرمائے (۱) تاکہ جو بے وضو اور بے غسل ہوں وہ وضو اور غسل کر کے پاک وصاف اور ستھرے ہو جائیں (۲) مسلمانوں کے دلوں سے شیطانی وسوسہ دور ہو جائے (۳) مسلمانوں کے دلوں کو ڈھارس مل جائے کہ ہم حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائے گا (۴) محاذ جنگ کی ریتیلی زمین اس قابل ہو جائے کہ اس پر قدم جم سکیں الغرض جنگ بدر کی یہ بارش مسلمانوں کے لیے بارانِ رحمت اور کفار کے لیے سامانِ زحمت بن گئی۔

درسِ ہدایت

جنگ بدر میں مسلمانوں کو جن مشکل حالات کا سامنا تھا ظاہر ہے کہ عقلِ انسانی عالمِ اسباب پر نظر کرتے ہوئے اس کے سوا اور کیا فیصلہ کر سکتی تھی کہ وہ اس جنگ کو ٹال دیں۔ مگر صادق الایمان مسلمانوں نے اپنے رسول کی مرضی پا کر ہر قسم کی بے سروسامانی کے باوجود حق و باطل کی معرکہ آرائی کے لیے والہانہ اور فداکارانہ جذبات کے ساتھ خود کو پیش کر دیا اور نہایت ثابت قدمی اور اولوالعزمی کے ساتھ میدانِ جنگ میں کود پڑے تو اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی کس کس طرح امداد و نصرت فرمائی اس پر ایک نظر ڈال کر خداوند قدوس کے فضلِ عظیم کی جلوہ سامانیوں کا نظارہ کیجیے اور یہ دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں کس کس طرح مسلمانوں کی مدد فرمائی۔

(۱) مسلمانوں کی نگاہ میں دشمنوں کی تعداد اصل تعداد سے کم نظر آئی تاکہ مسلمان مرعوب نہ ہوں اور مشرکین کی نظروں میں مسلمان مٹھی بھر نظر آئے تاکہ وہ جنگ سے جی نہ چرائیں اور یہ حق و باطل کی جنگ ٹل نہ جائے (انفال)

(۲) اور ایک وقت میں مسلمان مشرکین کی نظر میں دگنے نظر آئے تاکہ مشرکین مسلمانوں سے شکست کھاجائیں (آلِ عمران)

(۳) پہلے مسلمانوں کی مدد کے لیے ایک ہزار فرشتے بھیجے گئے۔ پھر فرشتوں کی تعداد بڑھاکر تین ہزار کر دی گئی۔ پھر فرشتوں کی تعداد پانچ ہزار ہو گئی۔ (آلِ عمران)

(۴) مسلمانوں پر عین معرکہ کے وقت تھوڑی دیر کے لیے غنودگی اور نیند طاری کر دی گئی جس کے چند منٹ بعد ان کی بیداری نے ان میں ایک نئی تازگی اور نئی روح پیدا کر دی (انفال)

(۵) آسمان سے پانی برسا کر مسلمانوں کے لیے ریتیلی زمین کو پختہ زمین کی طرح بنا دیا اور مشرکین کے محاذِ جنگ کی زمین کو کیچڑ اور پھسلن والی دلدل بنا دیا۔ (انفال)

(۶) نتیجہ جنگ یہ ہوا کہ ذرا دیر میں مشرکین کے بڑے بڑے نامی گرامی پہلوان اور جنگجو شہسوار مارے گئے۔ چنانچہ ستر مشرکین قتل ہوئے اور ستر گرفتار ہو کر قیدی بنائے گئے اور مشرکین کا لشکر اپنا سارا سامان چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور یہ سارا سامان مسلمانوں کو مالِ غنیمت میں مل گیا۔

مسلمان اگرچہ خداوند قدوس کی مذکورہ بالا امداد اور اس کے فضل سے فتحیاب ہوئے۔ تاہم اس جنگ میں چودہ مجاہدینِ اسلام نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ (زرقانی ج ۱ ص ۴۴۴)

یہ واقعہ ہمیں متنبہ کر رہا ہے کہ اگر مسلمان خدا پر بھروسا کر کے حق و باطل کی جنگ میں ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ ڈٹے رہیں تو تعداد کی کمی اور

بے سروسامانی کے باوجود ضرور خدا کی مدد اُتر پڑے گی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہو گی۔ یہ رب العزت کے فضل و کرم کا وہ دستور ہے کہ جس میں ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔ بس شرط یہ ہے کہ مسلمان نہ بدل جائیں، اور ان کے اسلامی خصائل و کردار میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ ورنہ خدا کا دستور تو نہ بدلا ہے نہ کبھی بدلے گا اس کا وعدہ ہے کہ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ہ یعنی ہرگز ہرگز خدا کے دستور میں کوئی ردّوبدل نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۰) جنگِ حُنین

فتح مکہ کے بعد مشرکین عرب کی شوکت کا قریب قریب خاتمہ ہو گیا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر "ہوازن" اور "ثقیف" کے دونوں قبائل کے سرداروں کا اجتماع ہوا، اور انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنی قوم "قریش" کو مغلوب کر کے مطمئن ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اب ہماری باری ہے تو کیوں نہ ہم پیش قدمی کر کے حملہ آور ہو کر ان مسلمانوں کا قلع قمع کر کے رکھ دیں چنانچہ ہوازن اور ثقیف کے دونوں قبائل نے مالک بن عوف نضری کو اپنا بادشاہ بنا کر مسلمانوں سے جنگ کی تیاری شروع کر دی یہ خبر پا کر ۱۰ شوال ۸ھ مطابق فروری ۶۳۰ء کو دس ہزار مہاجرین و انصار اور دو ہزار مکہ کے نومسلم اور اسّی وہ مشرکین جو اسلام قبول نہ کرنے کے باوجود اپنی خواہش سے مسلمانوں کے رفیق جنگ بن گئے۔ کُل تقریباً بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر ساتھ لے کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "مقامِ حنین" پہنچ گئے۔ جب دشمن کے مقابلہ میں صف آرائی کا وقت آیا تو آپ نے مہاجرین کا پرچم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا۔ اور انصار میں بنی خزرج کا علمبردار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا اور اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت فرمایا

اور خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ نفس نفیس بدن پر ہتھیار سجا کر ڈبل زرہ پہن کر اور سر انور پر آہنی ٹوپی رکھ کر اپنے خچر پر سوار ہوئے اور اسلامی فوج کی کمان سنبھال لی۔

مسلمانوں کے دلوں میں اپنے لشکر کی اکثریت دیکھ کر کچھ گھمنڈ پیدا ہو گیا یہاں تک کہ بعض لوگوں کی زبان سے بغیر "ان شاء اللہ" کہے یہ لفظ نکل گیا کہ آج ہماری قوت کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ مسلمانوں کا اپنی فوج کی عددی اکثریت اور عسکری طاقت پر بھروسا کر کے فخر کرنا خداوند تعالیٰ کو پسند نہیں آیا لہٰذا مسلمانوں پر خدا کی طرف سے یہ تازیانۂ عبرت لگا کہ جب جنگ شروع ہوئی تو اچانک دشمن کی ان ٹولیوں نے جو گوریلا جنگ کے لیے پہاڑوں کی مختلف گھاٹیوں میں گھات لگائے بیٹھی تھی اس زور شور کے ساتھ تیر اندازی شروع کر دی کہ مسلمان تیروں کی بارش سے بدحواس ہو گئے اور اس ناگہانی تیر بارانی کی بوچھار سے ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور تھوڑی ہی دیر میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور چند مہاجرین و انصار کے سوا تمام لشکر میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔

اس خطرناک صورتِ حال اور نازک گھڑی میں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار برابر آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے اور رجز کا یہ شعر بلند آواز سے پڑھ رہے تھے ؎

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب ۔۔۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب

یعنی میں نبی ہوں یہ کوئی جھوٹی بات نہیں، میں عبد المطلب کا فرزند ہوں

بالآخر حضور کے حکم پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باآواز بلند بھاگے ہوئے مسلمانوں کو پکارا اور یا معشر الانصار یا اصحاب بیعۃ الرضوان کہہ کر للکارا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ للکار اور پکار سن کر تمام جان نثار مسلمان پلٹ پڑے اور پرچم نبوت کے نیچے جمع ہو کر ایسی جان نثاری کیساتھ دادِ شجاعت

دینے لگے کہ دم زدن میں میدانِ جنگ کا نقشہ ہی پلٹ گیا اور یہ نتیجہ نکلا کہ شکست کے بعد مسلمان فتح مند ہو گئے اور پرچمِ اسلام سربلند ہو گیا ہزاروں کفار گرفتار ہو گئے اور بہت سے تلوار کا لقمہ بن گئے اور بیشمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور کفارِ عرب کی طاقت و شوکت کا جنازہ نکل گیا۔

جنگِ حنین میں مسلمانوں کے اپنی کثرتِ تعداد پر غرور کے انجام میں شکست اور پھر فتح و نصرت کا حال خداوند ذوالجلال نے قرآن کریم میں ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے کہ :۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ	بے شک اللہ نے بہت جگہ تمھاری
مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ	مدد کی اور حنین کے دن جب
حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ	تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ	تو وہ تمھارے کچھ کام نہ آئی اور
شَیْــٴًـا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ	زمین وسیع ہونے کے باوجود
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ	تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ
وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۚ ثُمَّ	دے کر بھاگ گئے پھر اللہ نے
اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى	اپنی تسکین اتاری ، اپنے رسول
رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ	پر اور مسلمانوں پر اور وہ لشکر
وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا	اتارے جو تم نے نہ دیکھے اور
وَ عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ	کافروں کو عذاب دیا ۔ اور
وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ۞	منکروں کی یہی سزا ہے ۔

(التوبہ رکوع ۴)

۞ ۞ ۞ ۞

درسِ ہدایت

جنگِ حنین کا یہ واقعہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں فتح و کامرانی فوجوں کی کثرت اور سامانِ جنگ کی فراوانی سے نہیں ملتی۔ بلکہ فتح و نصرت کا دار و مدار درحقیقت پروردگار

کے فضل عظیم پر ہے۔ اگر وہ رب کریم اپنا فضلِ عظیم فرمادے تو چھوٹے سے چھوٹا لشکر بڑی سے بڑی فوج پر غالب ہو کر مظفر و منصور ہو سکتا ہے اور اگر اس کا فضل و کرم شاملِ حال نہ ہو تو بڑے سے بڑا لشکر چھوٹی سے چھوٹی فوج سے مغلوب ہو کر شکست کھا جاتا ہے لہٰذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ کبھی بھی اپنے لشکر کی کثرت پر اعتماد نہ رکھیں بلکہ ہمیشہ خداوند قدوس کے فضل و کرم پر بھروسا رکھیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۱) غارِ ثور

ہجرت کی رات حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ سے نکل کر مقام "حَزْوَرہ" کے پاس کھڑے ہو گئے اور بڑی حسرت کے ساتھ "کعبہ مکرمہ" کو دیکھا اور فرمایا کہ اے شہر مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ پیارا ہے اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا اور کسی جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ہی قرار داد ہو چکی تھی وہ بھی اسی جگہ آ گئے اور اس خیال سے کہ کفار ہمارے قدموں کے نشان سے ہمارا راستہ پہچان کر ہمارا پیچھا نہ کریں پھر یہ بھی دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پائے نازک زخمی ہو گئے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کرالیا اور اس طرح خار دار جھاڑیوں اور نوک دار پتھروں والی پہاڑیوں کو روندتے ہوئے اسی رات غار ثور پہنچے۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۸)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خود غار میں داخل ہوئے اور اچھی طرح غار کی صفائی کی اور اپنے کپڑوں کو پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر رکھا تھا۔ سوراخ کے اندر سے ایک سانپ نے بار بار یارِ غار کے پاؤں میں کاٹا۔ مگر حضرت صدیق جاں نثار نے اس خیال سے پاؤں نہیں ہٹایا کہ رحمت عالم کے خوابِ راحت میں خلل نہ پڑ جائے۔ مگر درد کی شدّت سے یارِ غار کے آنسوؤں کی دھار کے چند قطرات سرور کائنات کے رخسار پر نثار ہو گئے۔ جس سے رحمت عالم بیدار ہو گئے اور اپنے یار غار کو روتا دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ پوچھا ابوبکر کیا ہوا؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا جس سے فوراً ہی سارا درد جاتا رہا اور زخم بھی اچھا ہو گیا۔ تین رات حضور رحمتِ عالم اور حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غار میں رونق افروز رہے۔ کفار مکہ نے آپ کی تلاش میں مکہ کا چپہ چپہ چھان مارا۔ یہاں تک کہ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے غار ثور تک پہنچ گئے مگر غار کے منہ پر حفاظتِ خداوندی کا پہرہ لگا ہوا تھا۔ یعنی غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے یہ منظر دیکھ کر کفار آپس میں کہنے لگے کہ اگر اس غار میں کوئی انسان موجود ہوتا تو نہ مکڑی جالا تنتی نہ کبوتری یہاں انڈے دیتی۔ کفار کی آہٹ پا کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ گھبرائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب ہمارے دشمن اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ اگر وہ اپنے قدموں پر نظر ڈالیں گے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا — مت گھبراؤ، خدا ہمارے ساتھ ہے

پھر حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سکینہ اتر پڑا کہ وہ بالکل ہی مطمئن اور بے خوف ہو گئے اور چوتھے دن یکم ربیع الاوّل دوشنبہ کے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام غار سے باہر تشریف لائے اور مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔

اس غارِ ثور کے واقعہ کو قرآن مجید نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ کَلِمَةَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی ط وَکَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ط وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ

(التوبہ رکوع ۶)

اگر تم لوگ محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب وہ اپنے یار سے فرماتے تھے کہ غم نہ کھاؤ بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اُتارا اور ان فوجوں سے ان کی مدد فرمائی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچے ڈال دی اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے!

درسِ ہدایت

یہ آیت اور غارِ ثور کا واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کی محبت وجاں نثاری رسول کا وہ نشانِ اعظم ہے جو قیامت تک آفتاب عالمتاب کی طرح درخشاں اور روشن رہے گا۔ کیوں نہ ہو کہ پروردگار نے انھیں اپنے رسول کے "یارِ غار" ہونے کی سند مستند قرآن میں دے دی ہے جو کبھی ہرگز ہرگز نہیں مٹ سکتی ہے۔

سبحان اللہ! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ وہ فضل وشرف ہے جو نہ کسی کو ملا ہے نہ کسی کو ملے گا۔ ؎

مرتبہ حضرت صدیق کا ہو کس سے بیاں
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

(۲۲) مسجدِ ضرار جلا دی گئی

منافقین کو یہ تو جراءت ہوتی نہ تھی کہ علانیہ اسلام کی مخالفت کرتے۔ مگر وہ لوگ در پردہ اسلام کی بیخ کنی میں ہمیشہ مصروف رہتے اور اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ مسلمانوں میں اختلاف اور پھوٹ ڈال کر اسلام کو نقصان پہنچائیں۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے جہاں ان بے ایمانوں نے دوسری بہت سی فتنہ سامانیاں برپا کر رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک واقعہ رجب ۹ھ میں بھی رونما ہوا جو در حقیقت نہایت ہی خطرناک سازش تھی۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اللہ عزوجل نے منافقین کی اس خوفناک مہم سے بذریعہ وحی آگاہ فرما دیا۔ اور دشمنانِ اسلام کی ساری اسکیموں پر پانی پھر گیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ رجب ۹ھ میں حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ اطلاع ملی کہ "تبوک" کے میدان میں جو مدینہ منورہ سے چودہ منزل پر دمشق کے راستہ پر واقع ہے۔ "ہرقل" شاہِ روم مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے لشکر جمع کر رہا ہے آپ نے عرب میں سخت گرمی اور قحط کے باوجود جہاد کے لیے اعلان فرما دیا اور مسلمان جوق در جوق شوقِ جہاد میں مدینہ کے اندر جمع ہونے لگے۔

ابھی نبی اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم تیاریوں ہی میں مصروف تھے کہ منافقین نے وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سوچا کہ مسجد "قبا" کے مقابلہ میں اس حیلہ سے ایک مسجد تیار کریں کہ جو لوگ کسی عذر کی وجہ سے مسجد نبوی میں نہ جا سکیں وہ لوگ یہاں نماز پڑھ لیا کریں اور منافقوں کا خاص مقصد یہ تھا کہ اس مسجد کو اسلام کی تخریب کاری کے لیے اڈہ بنا کر اور اس میں جمع ہو کر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے اور اسکیمیں بناتے رہیں اور شاہِ روم کی خفیہ امدادوں اور اسلحہ وغیرہ کے ذخیروں کا اس مسجد کو مرکز بنائیں اور یہیں سے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کا

جال پورے عالم اسلام میں بچھاتے رہیں یہ سوچ کر منافقین خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم لوگوں نے ضعیفوں اور کمزوروں کے لیے قریب میں ہی ایک مسجد بنائی ہے اب ہماری تمنا ہے کہ حضور وہاں چل کر اس میں نماز پڑھ دیں تو وہ مسجد عنداللہ مقبول ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو میں ایک بہت ہی اہم جہاد کے لیے مدینہ سے باہر جا رہا ہوں۔ واپسی پر دیکھا جائیگا۔

مگر جب آپ بخیریت اور فتح و کامرانی کے ساتھ مدینہ واپس تشریف لائے تو وحی الٰہی کے ذریعہ اس مسجد کی تعمیر کا حقیقی سبب آپ کو معلوم ہو چکا تھا، اور منافقین کی خفیہ اور خطرناک سازش بے نقاب ہو چکی تھی۔ چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کو یہ حکم دیکر وہاں بھیجا کہ وہ وہاں جائیں اور اس مسجد کو آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیں۔

چونکہ اس مسجد کی بنیاد حقیقۃً تقویٰ اور للہیت کی جگہ تفریق بین المسلمین اور تخریب اسلام پر رکھی گئی تھی۔ اس لیے بلا شبہ وہ اس کی مستحق تھی کہ اس کو جلا کر برباد کر دیا جائے اور درحقیقت اس تخریب کاری کے اڈہ کو مسجد کہنا حقیقت کے خلاف تھا اس لیے قرآن مجید نے اس حقیقت حال کو ظاہر کرتے ہوئے اعلان فرما دیا کہ یہ مسجد تقویٰ نہیں بلکہ "مسجد ضرار" کہلانے کی مستحق ہے۔

ملاحظہ فرمائیے اس مسجد کے بارے میں قرآن مجید کے غضب ناک تیور اور پُر جلال الفاظ۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا	اور وہ لوگ جنھوں نے مسجد بنائی
ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ	نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب سے
بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا	اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو۔ اور اس
لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور اس کے
مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ	رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں
اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ	کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی

يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝	اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بیشک جھوٹے ہیں
لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ	اس مسجد میں تم کبھی کھڑے نہ ہونا۔
اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ	بیشک وہ مسجد کہ پہلے دن سے جس
اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ	کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے
فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ	وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے
اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ	ہو اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب
يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝	ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے
(التوبہ رکوع ۱۳)	لوگ اللہ کو پیارے ہیں۔

درسِ ہدایت

ایک ہی عمل، عمل کرنے والے کی نیت کے فرق سے "اچھا" بھی ہو سکتا ہے اور "برا بھی"۔ طیب بھی بن سکتا ہے اور خبیث بھی۔

مسجد کی تعمیر ایک عمل خیر ہے مگر جب "لوجہ اللہ" کی نیت ہو تو ثواب ہی ثواب ہے اور اگر "شر و فساد" کی نیت ہو تو عذاب ہی عذاب ہے۔ مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر مقبول بارگاہِ الٰہی اور باعث ثواب ہوئی۔ کیونکہ ان دونوں مسجدوں کے بنانے والوں کی نیت خدا کی رضا اور ان دونوں مسجدوں کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی اور منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد مردود بارگاہِ الٰہی ہو گئی اور سراسر باعثِ عذاب بن گئی کیونکہ اس مسجد کو تعمیر کرنے والوں کی نیت رضائے الٰہی نہیں تھی اور اس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر نہیں رکھی گئی تھی۔ بلکہ ان لوگوں کی غرض فاسد تخریبِ اسلام اور تفریق بین المسلمین تھی۔ تو یہ مسجد قطعاً غیر مقبول ہو گئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسجد میں قدم رکھنے کی بھی ممانعت فرما دی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مسجد کو نہ صرف ویران فرما دیا بلکہ اسکو جلا کر نیست و نابود کر ڈالا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اگر کسی مسجد کو گمراہ فرقوں

والے اہلِ حق کے خلاف کمین گاہ اور جاسوسی کا مرکز بنا کر اہلِ حق کے خلاف فتنہ پردازیاں کرنے لگیں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس مسجد میں نماز کے لیے نہ جائیں بلکہ اس کا بائیکاٹ کر کے اس کو ویران کر دیں اور ہرگز ہرگز نہ اس مسجد میں نماز پڑھیں۔ نہ اس کی تعمیر و آبادکاری میں کوئی امداد و تعاون کریں۔

یا پھر تمام مسلمان مل کر گمراہ فرقوں کو اس مسجد سے بے دخل کر دیں اور اس مسجد کو اپنے قبضہ میں لے کر گمراہوں کا تسلط ختم کر دیں تاکہ ان لوگوں کے شر و فساد اور فتنہ انگیزیوں سے مسجد ہمیشہ کے لیے پاک ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۳) فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہوا

فرعون جب اپنے لشکروں کے ساتھ دریا میں غرق ہونے لگا تو ڈوبتے وقت تین مرتبہ اس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا، مگر اس کا ایمان مقبول نہیں ہوا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرا۔ لہٰذا بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ فرعون مومن ہو کر مرا۔ ان کا قول قابلِ اعتبار نہیں ہے (صاوی ج ۲ ص ۱۷۳)

ڈوبتے وقت ایک مرتبہ فرعون نے "اٰمَنْتُ" کہا یعنی میں ایمان لایا۔ دوسری مرتبہ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ کہا یعنی اس اللہ کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے دوسرا کوئی خدا نہیں ہے اور تیسری بار یہ کہا کہ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ یعنی میں مسلمان ہوں۔

روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرعون کے منہ میں خداوند تعالیٰ کے حکم سے کیچڑ بھر دی اور وہ اچھی طرح کلمہ ایمان ادا نہیں کر سکا (جلالین)

یہ بھی ایک حکایت منقول ہے کہ جب فرعون تختِ سلطنت پر بیٹھ کر خدائی کا دعویٰ کرتا تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آدمی کی شکل میں اس کے پاس یہ فتویٰ طلب کرنے کے لیے تشریف لے گئے کہ کیا فرماتے ہیں بادشاہ اس غلام کے بارے میں

جو اپنے مولیٰ کے دیئے ہوئے مال اور اس کی نعمتوں میں پلا بڑھا پھر اس نے اپنے مولیٰ کی ناشکری کی اور اس کے حقوق کا انکار کرتے ہوئے خود اپنی سیادت کا اعلان کر دیا بلکہ خدائی کا دعویٰ کرنے لگا تو فرعون نے اس کا جواب یہ لکھا کہ ایسا غلام جو اپنے مولیٰ کی ناشکری کر کے اپنے مولیٰ کا باغی ہو گیا اس کی سزا یہی ہے کہ وہ دریا میں غرق کر دیا جائے چنانچہ جب ڈوبتے وقت فرعون پر موت کا غرغرہ سوار ہو گیا تو حضرت جبریئل علیہ السلام نے فرعون کا وہ دستخطی فتویٰ اس کو دکھایا اس کے بعد فرعون مر گیا (صاوی ج ۲ ص ۱۷۲)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :-

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰیٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝	اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا۔ سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو بولا میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں کیا اب؟ اور پہلے سے نافرمان رہا۔ اور تو فسادی تھا۔ آج ہم تیری لاش کو تیرا دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی ہو۔ اور بے شک بہت سے لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔ (یونس رکوع ۹)

فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد بھی بنی اسرائیل پر اس کی ہیبت کا اس درجہ دبدبہ چھایا ہوا تھا کہ لوگوں کو فرعون کی موت میں شک و شبہ ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو خشکی پہ پہنچا دیا اور دریا کی موجوں نے اس کی لاش کو ساحل پر ڈال دیا تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر اس کی موت کا یقین بھی کر لیں اور اس کے انجام سے عبرت بھی حاصل کریں۔

مشہور ہے کہ اس کے بعد ہی سے پانی نے لاشوں کو قبول کرنا چھوڑ دیا اور ہمیشہ پانی لاشوں کو اوپر تیراتا رہتا ہے یا کنارے پر پھینک دیتا ہے۔

(صاوی ج ۲ ص ۱۷۳)

درسِ ہدایت

فرعون نے باوجودیکہ تین مرتبہ اس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ مگر اس کا ایمان پھر بھی مقبول نہیں ہوا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کے بارے میں مفسّرین نے تین وجہیں بیان فرمائی ہیں۔

اوّلاً:۔ یہ کہ فرعون نے اپنے ایمان کا اقرار اس وقت کیا جب عذاب الٰہی اس کے سر پہ مسلط ہو گیا اور موت کا غرغرہ اس پر طاری ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آجاتا ہے تو اس وقت ان کا ایمان لانا ان کو کچھ بھی نفع نہیں پہنچاتا۔

چونکہ فرعون عذاب آجانے کے بعد جب موت کا غرغرہ سوار ہو گیا اس وقت ایمان لایا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ایمان کو قبول نہیں فرمایا اور حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ اس کے منہ میں کیچڑ بھر دیں اور یہ کہہ دیں کہ اب تو ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو ہمیشہ ایمان لانے سے انکار کرتا رہا اور لوگوں کو گمراہ کر کے فساد پھیلاتا رہا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ خدا کی توحید کے ساتھ رسول کی رسالت پر بھی

ایمان لانا ضروری ہے اور فرعون نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓ اِسْرَآءِیْلَ کہا یعنی صرف خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان نہیں لایا۔ اس لیے وہ مومن نہ ہو سکا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ فرعون نے ایمان لانے کے قصد سے کلمۂ ایمان کا تلفظ نہیں کیا تھا بلکہ صرف غرق سے بچنے کے لیے یہ کلمہ کہا تھا جیسا کہ اسکی عادت تھی کہ ہر مصیبت اور عذاب نازل ہونے کے وقت وہ گڑگڑا کر خدا کی طرف رجوع کرتا تھا۔ لیکن مصیبت ٹل جانے کے بعد پھر اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہہ کر اپنی خدائی کا ڈنکا بجایا کرتا تھا۔ معلوم ہوا کہ صرف کلمہ اسلام کا تلفظ جب کہ ایمان لانے کی نیت نہ ہو بلکہ جان بچانے کے لیے کہا ہو یہ ایمان کے لیے کافی نہیں ہے لہٰذا فرعون کا ایمان مقبول نہیں ہوا اور صحیح قول یہی ہے کہ فرعون کفر ہی کی حالت میں غرق ہو کر مرا۔ اس پر قرآن مجید کی آیتیں اور حدیثیں شاہد عدل ہیں۔ اسی لیے علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تحریر فرمایا کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ فرعون مومن ہو کر مرا۔ ان لوگوں کا قول قابلِ اعتبار نہیں ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۲۴) نوح علیہ السّلام کی کشتی

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو خدا کا پیغام سناتے رہے مگر ان کی بدنصیب قوم ایمان نہیں لائی بلکہ طرح طرح سے آپ کی تحقیر و تذلیل کرتی رہی اور قسم قسم کی اذیتوں اور تکلیفوں سے آپ کو ستاتی رہی یہاں تک کہ کئی بار ان ظالموں نے آپ کو اس قدر زدوکوب کیا کہ آپ کو مردہ خیال کر کے کپڑوں میں لپیٹ کر مکان میں ڈال دیا۔ مگر آپ پھر مکان سے نکل کر دین کی تبلیغ فرمانے لگے۔ اسی طرح بارہا آپ کا گلا گھونٹتے رہے یہاں تک کہ آپ کا

دم گھٹنے لگتا اور آپ بے ہوش ہو جاتے مگر ان ایذاؤں اور مصیبتوں پر بھی آپ یہی دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے پروردگار! تو میری قوم کو بخش دے اور ہدایت عطا فرما کیونکہ یہ مجھ کو نہیں جانتے ہیں۔

اور قوم کا یہ حال تھا کہ ہر بوڑھا باپ اپنے بچوں کو یہ وصیت کر کے مرتا تھا کہ نوح علیہ السلام بہت پرانے پاگل ہیں اس لیے کوئی ان کی باتوں کو نہ سنے اور نہ ان کی باتوں پر دھیان دے یہاں تک کہ ایک دن یہ وحی نازل ہو گئی کہ اے نوح (علیہ السلام) اب تک جو لوگ مومن ہو چکے ہیں ان کے سوا اور دوسرے لوگ کبھی ہرگز ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کے بعد آپ اپنی قوم کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے۔ اور پھر آپ نے اس قوم کی ہلاکت کے لیے دعا فرما دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ایک کشتی تیار کریں چنانچہ ایک سو برس میں آپ کے لگائے ہوئے ساگوان کے درخت تیار ہو گئے اور آپ نے ان درختوں کی لکڑیوں سے ایک کشتی بنائی جو اسی گز لمبی اور پچاس گز چوڑی تھی اور اس میں تین درجے تھے نچلے طبقے میں درندے، پرندے اور حشرات الارض وغیرہ اور درمیانی طبقے میں چوپائے وغیرہ جانوروں کے لیے اور بالائی طبقے میں خود اور مومنین کے لیے جگہ بنائی۔ اس طرح یہ شاندار کشتی آپ نے بنائی اور ایک سو برس کی مدت میں یہ تاریخی کشتی بن کر تیار ہوئی جو آپ کی اور مومنوں کی محنت اور کاری گری کا ثمرہ تھی۔ جنھوں نے بے پناہ محنت کر کے یہ کشتی بنائی تھی۔

جب آپ کشتی بنانے میں مصروف تھے تو آپ کی قوم آپ کا مذاق اڑاتی تھی کوئی کہتا کہ اے نوح! اب تم بڑھئی بن گئے؟ حالانکہ پہلے تم کہا کرتے تھے کہ میں خدا کا نبی ہوں۔ کوئی کہتا کہ اے نوح! اس خشک زمین میں تم کشتی کیوں بنا رہے ہو؟ کیا تمھاری عقل ماری گئی ہے؟ غرض طرح طرح کا تمسخر و استہزاء کرتے اور قسم قسم کی طعنہ بازیاں اور بدزبانیاں کرتے رہتے تھے اور آپ

ان کے جواب میں یہی فرماتے تھے کہ آج تم ہم سے مذاق کرتے ہو لیکن مت گھبراؤ جب خدا کا عذاب بصورتِ طوفان آجائے گا تو ہم تمھارا مذاق اڑائیں گے۔

جب طوفان آگیا تو آپ نے کشتی میں درندوں، چرندوں اور پرندوں اور قسم قسم کے حشرات الارض کا ایک ایک جوڑا نر و مادہ سوار کرادیا اور خود آپ اور آپ کے تینوں فرزند یعنی حام، سام اور یافث اور ان تینوں کی بیویاں اور آپ کی مومنہ بیوی اور بہتّر مومنین مرد و عورت کل اسّی انسان کشتی میں سوار ہوگئے اور آپ کی ایک بیوی "واعلہ" جو کافرہ تھی اور آپ کا ایک لڑکا جس کا نام "کنعان" تھا یہ دونوں کشتی میں سوار نہیں ہوئے اور طوفان میں غرق ہوگئے۔

روایت ہے کہ جب سانپ اور بچھو کشتی میں سوار ہونے لگے تو آپ نے ان دونوں کو روک دیا۔ تو ان دونوں نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! آپ ہم دونوں کو سوار کر لیجیے ہم عہد کرتے ہیں کہ جو شخص سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ۝ پڑھ لے گا ہم دونوں اس کو ضرر نہیں پہنچائیں گے تو آپ نے ان دونوں کو بھی کشتی میں بٹھا لیا۔

طوفان میں کشتی والوں کے سوا ساری قوم اور کل مخلوق غرق ہو کر ہلاک ہوگئی اور آپ کی کشتی "جودی پہاڑ" پر جا کر ٹھہر گئی اور طوفان ختم ہونے کے بعد آپ مع کشتی والوں کے زمین پر اُتر پڑے اور آپ کی نسل میں بے پناہ برکت ہوئی کہ آپ کی اولاد تمام روئے زمین پر پھیل کر آباد ہوگئی اسی لیے آپ کا لقب "آدم ثانی" ہے (صاوی ج ۲ ص ۱۹۲ وغیرہ تفاسیر)

قرآن مجید میں خداوند عزوجل نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ:۔

وَ اُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ — اور نوح کو وحی ہوئی کہ تمھاری قوم سے

يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ
قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا
كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ
الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا
وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ج
اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَيَصْنَعُ
الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ
مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ط
قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا
نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ
عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝
(ہود رکوع ۴)

مسلمان نہ ہوں گے مگر جتنے ایمان لا چکے تو ان کے کرتوتوں پر تم غم نہ کھاؤ اور تم کشتی بناؤ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے۔ اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے اور نوح کشتی بنا رہے تھے تو جب ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گذرتے تو ان کی ہنسی اڑاتے تو نوح کہتے کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ایک وقت ہم تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہماری ہنسی اڑاتے ہو تو اب تم لوگ جان جاؤ گے کہ کس پر آتا ہے رسوا کرنیوالا عذاب اور اترتا ہے وہ عذاب جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

(۲۵) طوفان برپا کرنے والا تنور

یوں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو دو سو برس پہلے ہی بذریعہ وحی مطلع کر دیا تھا کہ آپ کی قوم طوفان میں غرق کر دی جائے گی۔ مگر طوفان آنے کی نشانی یہ مقرر فرمادی تھی کہ آپ کے گھر کے تنور سے پانی ابلنا شروع ہوگا۔ چنانچہ پتھر کے اس تنور سے ایک دن صبح کے وقت پانی ابلنا شروع ہو گیا اور آپ نے کشتی پر جانوروں اور انسانوں کو سوار کرانا شروع کر دیا۔ پھر زوردار بارش ہونے لگی جو مسلسل چالیس دن اور چالیس رات موسلادھار برستی رہی اور زمین بھی جابجا شق ہو گئی اور پانی کے

چشمے پھوٹ کر بہنے لگے۔ اس طرح بارش اور زمین سے نکلنے والے پانیوں سے ایسا طوفان آگیا کہ چالیس چالیس گز اونچے پہاڑوں کی چوٹیاں ڈوب گئیں۔

چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے کہ

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ؕ (ھود رکوع ۴)	یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا اور تنور ابلا تو ہم نے فرمایا کشتی میں سوار کر لو ہر جنس سے ایک جوڑا نر و مادہ اور جن کی ہلاکت پہلے طے ہو چکی ہے ان کے سوا اپنے گھر والوں کو اور باقی مسلمانوں کو اور اس کے ساتھ مسلمان نہ تھے مگر تھوڑے۔

اور آسمان و زمین کے پانی کی فراوانی اور طغیانی کا بیان فرماتے ہوئے ارشادِ ربانی ہوا کہ

فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۫ۖ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤی اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۚ (القمر ع ۱)	ہم نے آسمان کے دروازوں کو لگاتار برسنے والے پانی کے ساتھ کھول دیا اور چشمے پھاڑ دیئے تو دونوں پانی مل گئے اور وہ کام ہو گیا جس کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

یعنی طوفان آگیا اور ساری دنیا غرق ہو گئی۔ (صاوی ج ۲ ص ۱۸۳)

طوفان کتنا زور دار تھا؟ اور طوفانی سیلاب کی موجوں کی کیا کیفیت تھی؟ اس کی منظر کشی قرآن مجید نے ان لفظوں میں فرمائی ہے۔

وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ (ھود رکوع ۴)	اور وہ کشتی انھیں لیے جا رہی تھی پہاڑ جیسی موجوں میں۔

حضرت نوح علیہ السلام کشتی پر سوار ہو گئے اور کشتی طوفانی موجوں کے تھپیڑوں

سے ٹکراتی ہوئی برابر چلی جا رہی تھی یہاں تک کہ سلامتی کے ساتھ کوہ جودی پر پہنچ کر ٹھہر گئی۔ کشتی پر سوار ہوتے وقت حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا پڑھی تھی کہ

بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَ مُرۡسٰىہَا ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ (ھود رکوع ۴)

اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

(۲۶) جودی پہاڑ

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے تھپیڑوں میں چھ ماہ تک چکر لگاتی رہی یہاں تک کہ خانۂ کعبہ کے پاس سے بھی گزری اور کعبہ مکرمہ کا سات چکر طواف بھی کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ جو عراق کے ایک شہر "جزیرہ" میں واقع ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پہاڑ کی طرف یہ وحی کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کسی ایک پہاڑ پر ٹھہرے گی تو تمام پہاڑوں نے تکبر کیا۔ لیکن "جودی" پہاڑ نے تواضع اور عاجزی کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ شرف بخشا کہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔

اور ایک روایت ہے کہ بہت دنوں تک اس کشتی کی لکڑیاں اور تختے باقی رہے تھے۔ یہاں تک کہ اگلی اُمتوں کے بعض لوگوں نے اس کشتی کے تختوں کو جودی پہاڑ پر دیکھا تھا۔

محرم کی دسویں تاریخ عاشوراء کے دن یہ کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری۔ چنانچہ اس تاریخ کو کشتی کی تمام مخلوق یعنی انسان اور وحوش وطیور وغیرہ سبھی نے شکر کا روزہ رکھا اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی سے اُتر کر سب سے پہلی جو بستی بسائی اس کا نام "ثمانین" رکھا۔ عربی زبان میں ثمانین کے معنی "اَسّی" ہوتے ہیں

چونکہ کشتی میں اسّی آدمی تھے اس لیے اس گاؤں کا نام "ثمانین" رکھ دیا گیا (صاوی ج ۲ ص ۱۸۴)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (ہود رکوع ۴)

اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی اور فرما دیا گیا، کہ دور ہوں بے انصاف لوگ۔

(۲۷) نوح علیہ السّلام کا بیٹا غرق ہو گیا

حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا جس کا نام "کنعان" تھا۔ وہ صدقِ دل سے آپ پر ایمان نہیں لایا تھا۔ بلکہ وہ منافق تھا اور اپنے کفر کو چھپائے رکھتا تھا۔ لیکن طوفان کے وقت اس نے اپنے کفر کو ظاہر کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی پر سوار ہوتے وقت اس کو بلایا اور فرمایا کہ میرے پیارے بیٹے! تم کشتی پر سوار ہو جاؤ اور کافروں کا ساتھ چھوڑ دو تو اس نے کہا کہ میں طوفان میں پہاڑوں پر چڑھ کر پناہ لے لوں گا تو آپ نے بڑی دل سوزی کے ساتھ فرمایا کہ بیٹا! آج خدا کے عذاب سے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔ ہاں جس پر خداوند کریم اپنا رحم فرمائے بس وہی بچ سکتا ہے۔ باپ بیٹے میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک زور دار موج آئی اور کنعان غرق ہو گیا اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ کنعان ایک بلند پہاڑ پر چڑھ کر ایک غار میں چھپ گیا اور غار کے تمام سوراخوں کو بند کر لیا مگر جب طوفان کی موج اس پہاڑ کی چوٹی سے ٹکرائی تو غار میں پانی بھر گیا اس طرح کنعان اپنے بول و براز میں لت پت ہو کر غرقاب ہو گیا۔ (صاوی ج ۲ ص ۱۸۴)

قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے اس واقعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

وَنَادٰى نُوْحُ نِ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ

اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے تھا اے میرے بچے!

مَعَنَا وَلَا تَكُن مِّنَ الْكٰفِرِيْنَ ٥ قَالَ سَاٰوِيْ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ط قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ج وَ حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ٥ (ہود رکوع ۴)

ہمارے ساتھ سوار ہوجا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ وہ بولا اب میں کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے بچالے گا نوح نے کہا آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر وہ جس پر رحم کرے اور ان کے بیچ میں موج آڑے آئی تو وہ ڈوبنے والوں میں سے ہوگیا۔

بیٹے کو اپنے سامنے اس طرح غرقاب ہوتے دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام کو بڑا صدمہ و رنج پہنچا اور آپ نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرا بیٹا کنعان تو میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو احکم الحاکمین ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح! (علیہ السلام) یہ آپ کا بیٹا کنعاں آپ کے ان گھر والوں میں سے نہیں ہے جن کو بچانے کا ہم نے وعدہ کیا تھا۔ لہٰذا اے نوح (علیہ السلام) تمہارا یہ سوال ٹھیک نہیں ہے اس لیے تم مجھ سے ایسی کسی بات کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو حضرت نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کروں جو مجھے معلوم نہیں ہے۔ اور اگر تو مجھے معاف فرما کر رحم نہ فرمائے گا تو میں نقصان میں پڑجاؤں گا (صاوی ج ۲ ص ۱۸۵)

قرآنِ مجید میں حضرت حق جلّ جلالہٗ نے اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا عرض کی کہ اے میرے رب! میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا ہے اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے

أَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ○ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ج اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ق فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنِّیْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ط وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

(ہود رکوع ۴)

اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا ہے فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں نہیں۔ بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں تو مجھ سے وہ بات طلب نہ کر جس کا تجھ کو علم نہیں۔ میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن عرض کی اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور رحم نہ کرے گا تو میں نقصان میں پڑنے والا ہو جاؤں گا۔

(۲۸) طوفان کیونکر ختم ہوا

جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر پہنچ کر ٹھہر گئی اور سب کفار غرق ہو کر فنا ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اے زمین! جتنا پانی تجھ سے چشموں کی صورت میں نکلا ہے تو ان سب پانیوں کو پی لے۔ اور اے آسمان! تو اپنی بارش بند کر دے۔ چنانچہ پانی گھٹنا شروع ہو گیا اور طوفان ختم ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے نوح! (علیہ السلام) آپ کشتی سے اتر جائیے۔ اللہ کی طرف سے سلامتی اور برکتیں آپ پر بھی ہیں اور ان لوگوں پر بھی ہیں جو کشتی میں آپ کے ساتھ رہے (ہود رکوع ۴)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے روئے زمین کی خبر لانے کے لیے کسی کو بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے مرغی نے کہا کہ میں

روئے زمین کی خبر لاؤں گی تو آپ نے اس کو پکڑ لیا اور اس کے بازوؤں پر مہر لگا کر فرمایا کہ تجھ پر میری مُہر ہے تو پرند ہوتے ہوئے بھی لمبی اڑان نہ اُڑ سکے گی اور میری اُمّت تجھ سے فائدہ اٹھائے گی۔ پھر آپ نے کوے کو بھیجا تو وہ ایک مردار دیکھ کر اس پر گر پڑا اور واپس نہیں آیا۔ تو آپ نے اس پر لعنت فرما دی اور اس کے لیے بد دعا فرما دی کہ وہ ہمیشہ خوف میں مبتلا رہے۔ چنانچہ کوّے کو حل و حرم میں کہیں بھی پناہ نہیں ہے۔ پھر آپ نے کبوتر کو بھیجا تو وہ زمین پر نہیں اُترا، بلکہ ملک سبا سے زیتون کی ایک پتی چونچ میں لے کر آ گیا تو آپ نے فرمایا کہ تم زمین پر نہیں اُترے۔ اس لیے پھر جاؤ اور روئے زمین کی خبر لاؤ۔ تو کبوتر دوبارہ روانہ ہُوا اور مکّہ مکرمہ میں حرم کعبہ کی زمین پر اُترا اور دیکھ لیا کہ پانی زمین حرم سے ختم ہو چکا ہے اور سُرخ رنگ کی مٹی ظاہر ہو گئی ہے۔ کبوتر کے دونوں پاؤں سرخ مٹی سے رنگین ہو گئے۔ اور وہ اسی حالت میں حضرت نوح علیہ السّلام کے پاس واپس آ گیا اور عرض کیا کہ اے خدا کے پیغمبر! آپ میرے گلے میں ایک خوبصورت طوق عطا فرمائیے! اور میرے پاؤں میں سُرخ خضاب مرحمت فرمائیے اور مجھے زمین حرم میں سکونت کا شرف عطا فرمائیے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے کبوتر کے سر پر دست شفقت پھرایا اور اس کے لیے یہ دعا فرما دی کہ اس کے گلے میں دھاری کا ایک خوبصورت ہار پڑا رہے اور اس کے پاؤں سرخ ہو جائیں اور اس کی نسل میں خیر و برکت رہے اور اس کو زمینِ حرم میں سکونت کا شرف ملے۔

(صاوی ج ۲ ص ۱۸۵)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ :۔

وَقِيْلَ يٰاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا

اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور کام تمام ہوا اور کشتی کوہ جودی پر ٹھہری۔ اور

لِلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ۝ فرمایا گیا کہ دور ہوں ظالم لوگ۔
(ہُود رکوع ۴)

٭ ٭

اور حضرت نوح علیہ السّلام کو کشتی سے اُترنے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ :۔

قِیۡلَ یٰنُوۡحُ اہۡبِطۡ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَکٰتٍ عَلَیۡکَ وَ عَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَکَ ؕ (ہود رکوع ۴)

فرمایا گیا کہ اے نوح (علیہ السلام) کشتی سے اُترو۔ ہماری طرف سے سلام اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر ہیں اور تمھارے ساتھ کچھ گروہوں پر ہیں۔

درسِ ہدایت

حضرت نوح علیہ السلام کے اس واقعہ میں بڑی بڑی عبرتوں کے سامان ہیں جن کے انوار تجلیات سے قلوبِ مومنین پر ایسی ایمانی روشنی پڑتی ہے۔ جس سے مومنین کا سینہ نورِ عرفان و جلوۂ ایمان سے منوّر اور روشن ہو جاتا ہے۔ چند تجلّیوں کی نشاندہی حاضر ہے

(۱) حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کی ایذا رسانیوں اور دلخراش طعنوں اور گالیوں کے باوجود صبر و تحمّل کے ساتھ اپنی قوم کو ہدایت کا درس دیتے رہے اور جب تک ان پر وحی نہیں آگئی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اس وقت تک آپ برابر ہدایت کا وعظ سناتے ہی رہے۔ جب بذریعہ وحی آپ ان لوگوں کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو آپ نے ان ظالموں کے لیے ہلاکت کی دعا فرمائی۔ قوم مسلم کے واعظوں اور ہادیوں کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ چراغِ ہدایت و منارۂ نور ہے کہ وہ بھی صبر و استقلال کے ساتھ برابر تبلیغ و ارشاد کا کام جاری رکھیں۔

(۲) حضرت نوح علیہ السّلام اور مومنین طوفان کے عظیم سیلاب میں جب کہ طوفان کی موجیں پہاڑوں کی طرح سر اٹھا رہی تھیں، کشتی پر سوار تھے اور طوفانی موجوں کے سیلابِ عظیم میں ایک تنکے کی طرح یہ کشتی ہچکولے کھاتی چلی جا رہی تھی۔ مگر

حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین توکّل کی ایسی منزلِ بلند میں تھے کہ نہ ان لوگوں کو کوئی گھبراہٹ تھی نہ کوئی پریشانی۔ اس میں مومنین کے لیے یہ ہدایت ہے کہ بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت میں بھی مومن کو اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھ کر مطمئن رہنا چاہیے۔

(۳) حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان کافر تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ نیکوں کی اولاد کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ نیک ہی ہوں۔ بُروں کی اولاد اچھی اور اچھوں کی اولاد بُری ہو سکتی ہے۔ یہ خداوند تعالیٰ کی مشیّت اور مرضی پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہے اچھا بنا دے اور جس کو چاہے بُرا بنا دے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۹) ایک گستاخ پر بجلی گر پڑی

ایک شخص جو کفارِ عرب کے سرداروں میں سے تھا اس کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چند صحابۂ کرام کو تبلیغِ اسلام کے لیے بھیجا۔ چنانچہ ان حضرات نے اس کے پاس پہنچ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا پیغام سنا کر اسلام کی دعوت دی۔ تو اس گستاخ نے ازراہِ تمسخر کہا کہ اللہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ اور کہاں ہے؟ کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے یا تانبے کا؟ اس کا یہ متکبرانہ اور گستاخانہ جواب سن کر صحابۂ کرام کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ان حضرات نے بارگاہِ نبوت میں واپس حاضر ہو کر سارا ماجرا سنایا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ!

اس شخص سے بڑھ کر کافر اور باری تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے والا تو ہم لوگوں نے دیکھا ہی نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ دوبارہ اس کے پاس جاؤ۔ چنانچہ یہ حضرات دوبارہ اس کے پاس پہنچے، تو اس خبیث نے پہلے سے بھی زیادہ گستاخانہ الفاظ زبان سے نکالے۔ صحابۂ کرام اس کی

گستاخیوں اور بدزبانیوں سے رنجیدہ ہو کر دربار نبوت میں واپس پلٹ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ ان صحابہ کرام کو اس کے پاس بھیجا۔ جہاں یہ لوگ پہنچ کر اس کو دعوتِ اسلام دینے لگے اور وہ گستاخ ان حضرات سے جھگڑا کرتے ہوئے بدزبانی اور گالی گلوج پر اُتر آیا۔ صحابہ کرام ارشاد نبوی کے مطابق صبر کرتے رہے اسی دوران میں لوگوں نے دیکھا کہ ناگہاں ایک بدلی آئی اور اس بدلی میں اچانک گرج اور چمک پیدا ہوئی۔ پھر ایک دم نہایت ہی مہیب گرج کے ساتھ اس کافر پر بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی اور وہ لمحہ بھر میں جل کر راکھ ہو گیا یہ منظر دیکھ کر صحابہ کرام بارگاہِ اقدس میں واپس آئے تو ان حضرات کو دیکھتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جس گستاخ کے یہاں گئے تھے وہ تو جل کر راکھ ہو گیا۔ صحابہ کرام نے انتہائی حیرت و تعجب سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو کیسے اور کس طرح اس کی خبر ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ ابھی ابھی مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے (صاوی ج ۲ ص ۲۲۷)

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ	اور اللہ کڑکنے والی بجلیوں کو بھیجتا
بِهَا مَنْ يَّشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ	ہے تو اسے جس پر چاہے ڈالتا ہے
فِي اللّٰهِ ج وَهُوَ شَدِيْدُ	دراں حالیکہ وہ لوگ اللہ کے بارے
الْمِحَالِ ۝	میں جھگڑا کرتے ہیں اور اللہ کی پکڑ
(الرعد رکوع ۲)	بہت سخت ہے۔

درسِ ہدایت بارى تعالیٰ کی شان میں اس طرح کی گستاخی کرنے والوں کو بارہا عذابِ الٰہی نے اپنی گرفت میں لے کر ہلاک کر ڈالا لہٰذا خبردار، خبردار! اس مقدس جناب میں ہرگز ہرگز کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالنا چاہیے جو شانِ الوہیت میں بے ادبی قرار پائے۔ آجکل بہت سے لوگ بیماریوں اور مصیبتوں کے وقت خداوند تعالیٰ کی شان میں ناشکری کے الفاظ بول کر خداوند قدوس کی بے ادبی کر بیٹھتے ہیں۔ جس سے ان کا ایمان بھی

جاتا رہتا ہے۔ اور وہ دنیا و آخرت میں عذاب کے حق دار بن جاتے ہیں۔ توبہ۔ نعوذ باللہ منہ۔

(۳۰) پانچ دشمنانِ رسول

کفار قریش کے پانچ سردار (۱) عاص بن وائل سہمی (۲) اسود بن مطلب (۳) اسود بن عبدیغوث (۴) حارث بن قیس (۵) ولید بن مغیرہ۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ ایذائیں دیتے اور آپ کا بے حد تمسخر اور مذاق اڑایا کرتے تھے ایک روز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مسجد حرام میں تشریف لائے تو یہ پانچوں خبثاء بھی پیچھے پیچھے آئے اور حسب عادت تمسخر اور طعن و تشنیع کے الفاظ بکنے لگے اسی حال میں حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت کی خدمت میں پہنچے اور انھوں نے ولید بن مغیرہ کی پنڈلی کی طرف اور عاص بن وائل سہمی کے پاؤں کے تلوے کی طرف اور اسود بن مطلّب کی آنکھوں کی طرف اور اسود بن عبدیغوث کے پیٹ کی طرف اور حارث بن قیس کے سر کی طرف اشارہ فرمایا اور یہ کہا کہ میں ان لوگوں کے شر کو دفع کروں گا۔

چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ پانچوں دشمنانِ رسول طرح طرح کی بلاؤں میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے۔ ولید بن مغیرہ ایک تیر بیچنے والے کی دکان کے پاس سے گزرا۔ ناگہاں ایک تیر کا پیکان اس کے تہمد میں چبھ گیا۔ مگر اس کو نکالنے کے لیے اس نے تکبّر سے سر نیچا نہ کیا۔ اور کھڑے کھڑے تہبند ہلا ہلا کر پیکان کو نکالنے لگا جس سے اس کی پنڈلی زخمی ہو گئی اور وہ زخم اچھا نہیں ہوا بلکہ اسی زخم کی تکلیف اٹھا اٹھا کر وہ مر گیا۔

عاص بن وائل سہمی کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھ گیا جس سے اس کے پاؤں میں زہر باد ہو گیا اور اس کا پاؤں پھول کر اونٹ کی گردن کی طرح موٹا ہو گیا اور اسی

تکلیف میں وہ تڑپ تڑپ کر اور کراہتے ہوئے ہلاک ہو گیا۔

اسود بن مطلب کی آنکھوں میں ایسا درد اٹھا کہ وہ اندھا ہو گیا اور درد کی شدت سے وہ بیقراری میں اپنا سر دیوار سے بار بار ٹکراتا تھا اور اسی درد و کرب کی بے چینی میں وہ مر گیا اور یہ کہتا ہوا مرا کہ مجھ کو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے قتل کیا ہے۔

اسود بن عبد یغوث کو استسقاء ہو گیا جس سے اس کا پیٹ بہت زیادہ پھول گیا اور وہ اسی مرض میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہو گیا۔

حارث بن قیس کی ناک سے خون اور پیپ بہنے لگا اور وہ اسی میں مر کر ہلاک ہو گیا۔ اس طرح یہ پانچوں گستاخانِ رسول بہت جلد بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر ہلاک ہو گئے۔ (صاوی جلد ۲ ص ۲۵۵)

ان ہی پانچوں گستاخوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝	بیشک ان مذاق اڑانے والوں کو آپ کی طرف سے ہم کافی ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں تو بہت جلد یہ لوگ جان لیں گے (کہ ان کا انجام کیا ہوا)۔
(الحجر رکوع ۶)	

درسِ ہدایت

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ طعن و تمسخر، ان کی ایذا رسانی اور توہین و بے ادبی وہ جرم عظیم ہے کہ خداوند قہار و جبار کا قہر و غضب ان مجرموں کو کبھی معاف نہیں فرماتا۔ ایسے لوگوں کو کبھی غرق کر کے ہلاک کر دیا کبھی ان کی آبادیوں پر پتھر برسا کر ان کو برباد کر دیا۔ کبھی زلزلوں کے جھٹکوں سے ان کی بستیوں کو الٹ پلٹ کر کے تہس نہس کر دیا۔ کچھ ذلت کے ساتھ قتل ہو گئے۔ کچھ طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو کر ایڑیاں رگڑتے

رگڑتے اور تڑپتے تڑپتے مر گئے،

اس زمانے میں بھی جو لوگ بارگاہ نبوت میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے رہتے ہیں وہ کان کھول کر سُن لیں کہ اُن کے ایمان کی دولت تو غارت ہو ہی چکی ہے۔ اب ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کسی نہ کسی عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو کر ذلت کی موت مر جائیں گے اور دنیا ان کے منحوس وجود سے پاک ہو جائے گی۔ سُن لو اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی ہرگز ہرگز غلط نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا تم لوگ انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں اور اگر عذابِ الٰہی کی مار سے بچنا چاہتے ہو تو اس کی فقط ایک ہی صورت ہے کہ صدقِ دل سے توبہ کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت سے اپنے دلوں کو معمور و آباد کر لو اور اپنے قول و فعل اور اعتقاد سے تعظیم و توقیر نبوی کو اپنا دینی شعار بنا لو۔ پھر تم دیکھنا کہ ہر قدم پر تمہارے اُوپر خداوند قدوس کی رحمتیں نازل ہوں گی اور خاتمہ بالخیر کی کرامتوں سے تم سرفراز ہو کر دونوں جہان کی سعادتوں سے بہرہ مند ہو جاؤ گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

(۳۱) تمام سواریوں کا ذکر قرآن میں

نزولِ قرآن کے وقت جو چوپائے عام طور پر باربرداری اور سواری کے لیے استعمال ہوتے تھے وہ چار جانور تھے۔ اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے۔ باربرداری اور سواری کے ان چار جانوروں کا ذکر قرآن مجید میں خاص طور سے صراحۃً مذکور ہے ان کے علاوہ قیامت تک جتنی سواریاں اور باربرداری کے سادھن عالمِ وجود میں آنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سب کا تذکرہ قرآن مجید میں اجمالاً بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نحل کی مندرجہ ذیل آیت کو بغور پڑھ لیجیے، ارشاد ربانی ہے کہ

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ج لَكُمْ	اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے چوپائے
فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا	پیدا فرمائے کہ ان میں تمہارے لیے گرم
تَاْكُلُوْنَ ٥ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ	لباس اور منفعتیں ہیں اور ان میں سے کچھ کو

حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْهَا وَزِیْنَةً ؕ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(النحل۔ رکوع ۱)

تم کھاتے ہو اور تمھارے لیے ان چوپایوں میں زینت کا اظہار ہے جب تم انھیں شام کو واپس لاتے ہو اور جب چرنے کو چھوڑتے ہو اور وہ (اونٹ وغیرہ) تمھارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں ایسے شہروں کی طرف کہ تم لوگ وہاں نہ پہنچتے مگر ادھ مرے ہو کر بیشک تمھارا رب بہت مہربان اور رحم والا ہے اور اللہ تعالیٰ نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے کہ تمھاری سواری اور زینت بنیں اور وہ بہت سی ایسی سواریاں وغیرہ پیدا کرے گا جن کو تم لوگ نہیں جانتے۔

⁂

اس آیت مبارکہ میں آخری جملہ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ میں قیامت تک عالمِ وجود میں آنے والی تمام بار برداری کے ذرائع اور قسم قسم کی ان مختلف سواریوں کے پیدا ہونے کا بیان ہے جو نزولِ قرآن کے وقت تک ایجاد نہیں ہوئی تھیں مثلاً سائیکل، موٹر، ریل گاڑیاں، ٹرکیں، بحری جہاز، ہوائی جہاز، ہیلی کاپٹر، راکٹ وغیرہ وغیرہ تمام نقل وحمل کے سامان اور سواریوں کے ذرائع سب کا اجمالاً ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار اور غیب کی خبر کا اعلانِ عام فرمایا ہے۔ ذرائع نقل وحمل اور سواریوں کے علاوہ اس آیت میں تو اس قدر عموم ہے کہ اس میں قیامت تک پیدا ہونے والی ہر ہر چیز اور تمام کائناتِ عالم کا اجمالاً بیان ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

چاروں سواریاں جو نزولِ قرآن کے وقت عرب میں عام تھیں۔ ان کے بارے میں کچھ خصوصیات حسبِ ذیل ہیں جو یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

اونٹ یہ بہت سے نبیوں اور رسولوں کی سواری ہے۔ خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اونٹ کی سواری فرمائی اور آپ کی دو اونٹنیاں بہت مشہور ہیں۔ ایک "قصوی" اور دوسری "عضباء" جس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ کبھی دوڑ میں کسی اونٹ سے مغلوب نہیں ہوئی تھی مگر ایک مرتبہ ایک اعرابی کے اونٹ سے دوڑ میں پیچھے رہ گئی تو حضرات صحابہ کرام کو بہت شاق گزرا۔ اس موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پر یہ حق ہے کہ جب وہ کسی دنیا کی چیز کو بلند فرما دیتا ہے تو اس کو پست بھی کر دیتا ہے۔ مروی ہے کہ آپ کی اونٹنی "عضباء" نے آپ کی وفات کے بعد غم میں نہ کچھ کھایا نہ پیا اور وفات پا گئی اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اسی اونٹنی پر سوار ہو کر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میدانِ محشر میں تشریف لائیں گی

(روح البیان ج ۵ ص۸)

"حیات الحیوان" میں ہے کہ اونٹ کے بالوں کو جلا کر اس کی راکھ اگر بہتے ہوئے خون پر چھڑک دی جائے تو خون فوراً بند ہو جائے گا اور اونٹ کی کلنی اگر کسی عاشق کی آستین میں باندھ دی جائے تو اس کا عشق زائل ہو جائے گا اور اونٹ کا گوشت بہت مقوی باہ ہے۔ (روح البیان ج ۵ ص۹)

گھوڑا سب سے پہلے گھوڑے پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سواری فرمائی۔ آپ سے پہلے یہ وحشی اور جنگلی چوپایہ تھا۔ اسی لیے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ تم لوگ گھوڑے کی سواری کرو کیونکہ یہ تمہارے باپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی میراث ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بیویوں کے بعد سب سے زیادہ گھوڑا محبوب تھا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ گھوڑا میدانِ جنگ میں یہ تسبیح پڑھتا ہے "سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِکَةِ وَالرُّوْحِ" خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند گھوڑے تھے جن پر

آپ سواری فرمایا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ کون کون سی سواریاں آپ کو پسند ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ گھوڑا اور گدھا اور اونٹ کیونکہ گھوڑا اولو العزم رسولوں کی سواری ہے اور اونٹ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب و حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری ہے اور گدھا حضرت عیسیٰ و حضرت عزیر علیہما السلام کی سواری ہے اور میں کیوں نہ اس چوپائے (گدھے) سے محبت رکھوں جس کو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا۔

(روح البیان ج ۵ ص۱۱)

خچر یہ بھی ایک مبارک سواری ہے۔ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملکیت میں چھ خچر تھے۔ ان میں سے ایک سفید رنگ کا تھا جو مقوقس والیٔ مصر نے بطور ہدیہ آپ کی خدمتِ مبارکہ میں پیش کیا تھا جس کا نام "دُلدُل" تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اندرونِ شہر مدینہ اور اپنے باہر کے سفروں میں اس پر سواری فرمایا کرتے تھے۔ اس کی عمر بہت زیادہ ہوئی یہاں تک کہ اس کے سب دانت ٹوٹ گئے اور اس کی خوراک کے لیے جو کوٹ کر دلیا بنایا جاتا تھا، یہ حضور کی وفات کے بعد مدتوں زندہ رہا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے دوران اس پر سوار ہوئے۔ اور آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جنگ خوارج کے موقع پر اسی خچر پر سوار ہو کر جنگ کے لیے نکلے۔ پھر آپ کے بعد آپ کے صاحبزادگان حضرت امام حسن و حضرت امام حسین و حضرت محمد بن الحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اس کی سواری کا شرف پایا (روح البیان ج ۵ ص۱۱)

گدھا یہ بھی انبیاء اور رسولوں کی سواری ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت میں بھی دو گدھے تھے ایک کا نام "عفیر" اور دوسرے کا نام "یعفور" تھا۔ روایت ہے کہ "یعفور" آپ کو خیبر میں ملا تھا اور اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام کیا تھا کہ یا رسول اللہ! میرا نام "زیاد بن شہاب" ہے اور میرے

باپ داداؤں میں ساٹھ ایسے گدھے گزرے ہیں جن پر نبیوں نے سواری فرمائی ہے اور آپ بھی اللہ کے نبی ہیں لہٰذا میری تمنا ہے کہ آپ کے بعد دوسرا کوئی میری پشت پر نہ بیٹھے چنانچہ اس چوپائے کی تمنا پوری ہوگئی کہ آپ کی وفات اقدس کے بعد "یعفور" شدتِ غم سے نڈھال ہو کر ایک کنوئیں میں گر پڑا اور فوراً ہی موت سے ہمکنار ہوگیا یہ بھی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام "یعفور" کو بھیجا کرتے تھے کہ فلاں صحابی کو بلا کر لاؤ تو یہ جاتا تھا اور اس صحابی کے دروازہ کو اپنے سر سے کھٹکھٹاتا تھا تو وہ صحابی یعفور کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ حضور نے مجھے بلایا ہے چنانچہ وہ فوراً ہی یعفور کے ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اونی کپڑا پہنے گا اور بکری کا دودھ دوہے گا اور گدھے کی سواری کرے گا۔ اس میں بالکل ہی تکبر نہیں ہوگا (روح البیان ج ۵ ص۱۱)

درسِ ہدایت

ان چاروں سواریوں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بطور انعام و احسان کے ان جانوروں کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے اور پھر ان چاروں سواریوں پر حضرات انبیاء علیہم السلام سوار ہوئے ہیں لہٰذا ان سواریوں کی توہین و تحقیر بہت بڑی گستاخی و بے ادبی ہے جو کفر تک پہنچا دینے والی منحوسیت ہے بلکہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان چوپایوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمت جان کر شکر بجالائے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت سے ان سواریوں کی دل سے قدر کرے اور ہرگز ہرگز ان کی توہین و تحقیر نہ کرے کہ اس میں ایمان کی سلامتی بلکہ ایمان کی نورانیت کا راز مضمر ہے اور ان چاروں سواریوں کے بعد جو دوسری سواریاں ایجاد ہوئی ہیں ان پر بھی سوار ہونا جائز ہے اور ان میں سواریوں کے بارے میں یہ ایمان رکھنا لازم ہے کہ یہ سب خدا ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور یہ سب سواریاں وہی ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ فرما کر ان کے پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ •

❁ ❁ ❁

(۳۲) شہد کی مکھی

عربی میں شہد کی مکھی کو "نحل" کہتے ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک سورۃ نازل فرمائی جس کا نام سورہ نحل ہے۔ اس سورہ میں شہد اور شہد کی مکھی کے فضائل اور اس کے فوائد و منافع کا تذکرہ فرمایا ہے جو قابلِ ذکر ہے اور درحقیقت یہ مکھیاں عجائباتِ عالم کی فہرست میں ایک بہت ہی نمایاں مقام رکھتی ہیں اس مکھی کی چند خصوصیات حسبِ ذیل ہیں :-

(۱) اس مکھی کے گھروں یعنی چھتوں کا ڈسپلن اور نظامِ عمل اتنا منظم اور باقاعدہ ہے گویا ایک ترقی یافتہ ملک کا "نظام سلطنت" ہے۔ جو پورے نظام و انتظام کے ساتھ نظم مملکت چلا رہا ہے جس میں کوئی خلل اور فساد رونما نہیں ہوتا۔

(۲) ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں یہ مکھیاں اس طرح رہتی ہیں کہ ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جو جسم اور قد میں تمام مکھیوں سے بڑا ہوتا ہے۔ تمام مکھیاں اسی کی قیادت میں سفر اور قیام کرتی ہیں اس بادشاہ کو "یعسوب" کہتے ہیں۔

(۳) ان کا "یعسوب" ان مکھیوں کے لیے تقسیم کار کرتا ہے اور سب کو اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگا کر کام کراتا ہے۔ چنانچہ کچھ مکھیاں مکان بناتی ہیں جو سوراخوں کی شکل میں ہوتا ہے یہ مکھیاں ان سوراخوں کو اتنی خوبصورتی اور یکسانیت کے ساتھ مسدس (چھ گوشوں والا) شکل کا بناتی ہیں کہ گویا کسی ماہر انجینیئر نے پرکار کی مدد سے ان سوراخوں کو بنایا ہے۔ سب کی شکل بالکل یکساں اور ایک جیسی، سب کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی بالکل برابر ہوتی ہے۔

(۴) کچھ مکھیاں "یعسوب" کے حکم سے انڈے بچے پیدا کرنے کا کام انجام دیتی ہیں، کچھ شہد تیار کرتی ہیں کچھ موم بناتی ہیں کچھ پانی لاتی ہیں کچھ پہرہ دیتی رہتی ہیں۔ مجال نہیں ہے کہ کوئی دوسری مکھی ان کے گھر میں داخل ہو سکے۔

(۵) یہ مکھیاں پھلوں پھولوں وغیرہ کا رس چوس چوس کر لاتی ہیں اور شہد کے خزانے میں جمع کرتی رہتی ہیں اور پھلوں پھولوں کی تلاش میں جنگلوں اور میدانوں میں سیکڑوں میل الگ الگ دور دور تک چلی جاتی ہیں مگر یہ اپنے چھتوں کو نہیں بھولتی ہیں اور بلا تکلف بغیر کسی تلاش کے سیدھے سیکڑوں میل کی دوری سے اپنے چھتوں میں پہنچ جاتی ہیں۔

(۶) یہ مکھیاں مختلف رنگوں اور مختلف ذائقوں کا شہد تیار کرتی ہیں، کبھی سرخ، کبھی سفید، کبھی سیاہ، کبھی زرد، کبھی پتلا، کبھی گاڑھا، مختلف موسموں میں اور مختلف پھلوں پھولوں کے بدولت شہد کے مختلف رنگ اور ذائقے بدلتے رہتے ہیں۔

(۷) یہ اپنے چھتے کبھی درختوں پر کبھی پہاڑوں پر کبھی گھروں میں کبھی دیواروں کی سوراخوں میں کبھی زمین کے اندر بنایا کرتی ہیں اور ہر جگہ یکساں ڈسپلن اور نظام کے ساتھ ان کا کارخانہ چلتا رہتا ہے۔

(۸) نافرمان اور باغی مکھیوں کو ان کا "یعسوب" مناسب سزائیں بھی دیتا ہے یہاں تک کہ بعض کو قتل بھی کروا دیتا ہے اور سب کو اپنے کنٹرول میں رکھتا ہے کبھی کوئی شہد کی مکھی کسی نجاست پر نہیں بیٹھ سکتی اور اگر کوئی کبھی بیٹھ جائے تو انکا بادشاہ "یعسوب" اس کو سخت سزا دے کر چھتے سے نکال دیتا ہے۔

قرآن مجید نے اس شہد کی مکھیوں کے مسائل کا خطبہ پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ	اور تمھارے رب نے شہد کی مکھیوں کو
اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ	الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور
بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا	درختوں میں اور چھتوں میں پھر ہر قسم
یَعْرِشُوْنَ ۙ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ	کے پھل میں سے کھا اور اپنے رب کی
کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ	راہوں میں چل کہ تیرے لیے نرم و آسان

رَبِّكِ ذُلُلاً ط یَخْرُجُ مِنْ م بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ہ

ہیں اس کے پیٹ سے ایک پینے کی چیز رنگ برنگ کی نکلتی ہے جس میں لوگوں کی تندرستی ہے ۔ بے شک اس میں نشانی ہے دھیان کرنے والوں کو

(سورہ النحل رکوع ۹)

درس ہدایت

اللہ تعالیٰ نے شہد کو تمام بیماریوں کے لیے شفا فرمایا ہے چنانچہ بعض امراض میں تنہا شہد سے شفاء حاصل ہوتی ہے اور بعض امراض میں شہد کے ساتھ دوسری دواؤں کو ملا کر بیماریوں کا علاج کرتے ہیں جیسا کہ معجونوں اور جوارشوں اور طرح طرح کے شربتوں کے ذریعے تمام بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے اور ان سب دواؤں میں شہد شامل کیا جاتا ہے اسی طرح سکنجبینوں میں بھی شہد ڈالی جاتی ہے جو پیٹ کے امراض کے لیے بیحد مُفید ہے ۔ بہرحال ہر مسلمان کو یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ شہد میں شفا ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے شہد کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط یعنی اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم!

(۲۳) کھوسٹ عمر والا

انسان کی وہ طویل عمر جب کہ انسان کے تمام قویٰ مضمحل اور بیکار ہو جاتے ہیں اور آدمی بالکل ہی ناقص القوۃ، کم عقل اور قلیل الفہم ہو کر بچپن کی ہیئت کے مثل عقل و دانائی اور ہوش و خرد سے عاری اور نسیان کے غلبہ سے سارا علم بھول جاتا ہے اور اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے سے مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عمر انسانی کا ذکر فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ :۔

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا ط اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ہ (النحل رکوع ۹)	اور اللہ نے تم لوگوں کو پیدا کیا۔ پھر وہی تمھاری جانیں قبض کرے گا اور تم میں سے کوئی سب سے ناقص عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے سب کچھ کرسکتا ہے۔

اس "ارذل العمر" کی کوئی مقدار معین نہیں ہے تاریخی تجربہ ہے کہ بعض لوگ ساٹھ ہی برس کی عمر میں ایسے ہوجاتے ہیں اور بعض لوگ ایک سو برس کی عمر پاکر بھی کھوسٹ عمر کی منزل میں نہیں پہنچے۔ ہاں امام قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ نوّے برس کی عمر والے کے تمام قویٰ اور حواس عمل و تصرف سے ناکارہ ہوجاتے ہیں اور وہ ہر قسم کی کمائی اور حج وجہاد وغیرہ کے قابل نہیں رہ جاتے اور یہ عمر اور اس کی کیفیات واقعی اس قابل ہیں کہ انسان اس سے خدا کی پناہ مانگے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سات چیزوں سے پناہ مانگا کرتے تھے اور یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْکَسَلِ وَاَرْذَلِ الْعُمُرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَۃِ الدَّجَّالِ وَفِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ ہ	اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کنجوسی سے اور کاہلی سے اور کھوسٹ عمر سے اور قبر کے عذاب سے اور فتنۂ دجال سے اور زندگی کے فتنے سے اور موت کے فتنے سے۔

اسی لیے منقول ہے کہ مشہور بزرگ اور مستند عالم دین حضرت محمد بن علی واسطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذات کے لیے خاص طور پر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ؎

یَا رَبِّ لَا تُحْیِنِیْ اِلٰی زَمَنٍ ۔۔۔ اَکُوْنُ فِیْہِ کَلًّا عَلٰی اَحَدٍ
خُذْ بِیَدِیْ قَبْلَ اَنْ اَقُوْلَ لِمَنْ ۔۔۔ اَلْقَاہُ عِنْدَ الْقِیَامِ خُذْ بِیَدِیْ

یعنی اے اللہ! مجھے اتنے زمانے تک زندہ مت رکھ کہ میں کسی پر بوجھ بن جاؤں تو اس سے قبل میری دست گیری فرما لے کہ میں ہر ملنے والے سے اٹھتے وقت یہ کہوں کہ تم میرا ہاتھ پکڑ لو۔

حدیث شریف میں ہے اور بعض لوگوں نے اس کو حضرت عکرمہ کا قول بتایا ہے کہ جو شخص قرآن کو پڑھتا رہے گا وہ ارذل العمر (کھوسٹ عمر) کو نہ پہنچے گا اور ایسے ہی جو قرآن میں غور و فکر کرتا رہے گا اور قرآن پر عمل بھی کرتا رہے گا وہ بھی اس کھوسٹ عمر سے محفوظ رہے گا۔ (روح البیان ج ۵ ص۵۵)

درس ہدایت

زندگی اور موت اور کم یا زیادہ عمر یہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ و اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے کم عمر عطا فرمائے جس کو چاہے طویل عمر بخشے۔ کسی انسان کو ہرگز ہرگز اس میں کوئی دخل نہیں ہے انسان کو چاہیے کہ بہر حال خداوند قدوس کی مرضی پر صابر و شاکر رہے ہاں البتہ یہ دعا مانگتا رہے کہ اللہ تعالیٰ میری زندگی کو نیکیوں میں گذارے اور ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھے کیونکہ تھوڑی سی عمر ملے اور نیکیوں میں گذرے تو اس سے بڑا کوئی انعام نہیں اور عمر طویل پائے مگر حسنات اور نیکیوں میں نہ گذرے تو وہ لمبی عمر بہت بڑا خسارہ اور وبال ہے اور اس کا ہر وقت دھیان رکھے کہ کسی بوڑھے شخص کی بے ادبی نہ ہونے پائے بلکہ ہمیشہ بوڑھوں کا اعزاز و احترام پیشِ نظر رہے، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے دربار رسالت میں فقر و فاقہ کی شکایت کی، تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَعَلَّكَ مَشَيْتَ اَمَامَ شَيْخٍ یعنی غالبًا تم کسی بوڑھے آدمی کے آگے آگے چلے ہو گے۔ یہ اسی کی نحوست ہے۔

(روح البیان ج ۵ ص۶۰)

(۳۴) بے وقوف بڑھیا

مکہ مکرمہ میں ایک بڑھیا ریطہ بنت عمرو تھی۔ جس کے مزاج میں وہم اور عقل میں فتور تھا وہ روزانہ دوپہر تک محنت کر کے سوت کاتا کرتی تھی اور دوپہر کے بعد وہ کاتے ہوئے سوت کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالتی تھی اور اپنی باندیوں سے بھی تڑواتی تھی، یہی روزانہ کا اس کا معمول تھا (صاوی ج ۲ ص ۲۷۳)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھا کر یا اس کے نام پر لوگوں سے کوئی عہد کر کے اپنی قسموں اور عہدوں کو توڑ دیا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس عورت سے تشبیہ دیتے ہوئے قسموں اور عہدوں کے توڑنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ط اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ہ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ م بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ط (النحل رکوع ۱۳)	اور اللہ کا عہد پورا کرو جب قول باندھو اور قسموں کو مضبوط کر کے مت توڑو اور تم اللہ کو اپنے اوپر ضامن کر چکے بیشک اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ، جس نے اپنے سوت کو مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ کر کے توڑ دیا۔

درس ہدایت

ہر قسم کی بدعہدی اور عہد شکنی ممنوع اور شریعت میں گناہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر بلا ضرورت اس کو توڑنا بھی جائز نہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ یعنی اپنے عہدوں اور معاہدوں کو پورا کرو اور فرمایا کہ وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ یعنی اپنی قسموں کی

حفاظت کرو۔ ہاں البتہ اگر کسی خلاف شرع بات کی قسم کھالی ہو تو ہرگز اس قسم پر اَڑے نہیں رہنا چاہیے بلکہ لازم ہے کہ اس قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۵) حضُور گاؤں کی بربادی

"حضُور" یمن کا ایک گاؤں تھا اس گاؤں والوں کی ہدایت کے لیے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو بھیجا جن کا نام موسیٰ بن میشا تھا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے پرپوتے تھے گاؤں والوں نے آپ کو جھٹلا دیا اور پھر آپ کو قتل کر دیا اس ناجائز حرکت پر خدا کا قہر و غضب اور اس کا عذاب گاؤں والوں پر اُتر پڑا گاؤں والے طرح طرح کی بلاؤں میں گرفتار ہو گئے یہاں تک کہ "بخت نصر" کافر و ظالم بادشاہ اس گاؤں پر مسلط ہو گیا اور اس نے نہایت ہی بے دردی کے ساتھ پورے گاؤں کے تمام مردوں کو قتل کر دیا اور سب عورتوں کو گرفتار کر کے لونڈی بنا لیا اور شہر کو تاخت و تاراج کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جب شہر میں قتل عام شروع ہوا تو گاؤں والے بھاگنے لگے اس وقت فرشتوں نے بطور مذاق کے کہا کہ اے گاؤں والو! مت بھاگو اور اپنے گھروں میں اپنے مال و دولت کو لے کر آرام و چین کی زندگی بسر کرو۔ کہاں بھاگ رہے ہو ٹھہرو! یہ انبیاء علیہم السلام کے خون ناحق کا بدلہ ہے جو تمھیں مل رہا ہے آسمان سے ملائکہ کی یہ آواز پورے گاؤں میں آتی رہی اور "بخت نصر" کے لشکروں کی تلواریں ان کے سر اڑاتی رہیں جب گاؤں والوں نے یہ منظر دیکھا تو اپنے گناہوں اور جرموں کا اقرار کرنے لگے مگر ان کی آہ و زاری اور گریہ و بے قراری نے ان کو کوئی نفع نہیں دیا گاؤں میں ہر طرف خون کی ندیاں بہ گئیں اور سارا گاؤں تہس نہس ہو گیا قرآن مجید نے ان لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی

داستان کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ فَلَمَّا اَحَسُّوْا بَاْسَنَا اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ○ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْا اِلٰى مَا اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ○ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ○

(الانبیاء رکوع ۲)

اور کتنی ہی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں کہ وہ ظالم تھیں اور ان کے بعد دوسری قوم پیدا کر دی تو جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو وہ اس سے بھاگنے لگے (تو فرشتوں نے کہا) کہ مت بھاگو اور لوٹ جاؤ ان آسائشوں کی طرف جو تم کو دی گئی تھیں اور اپنے مکانوں میں جاؤ شاید تم سے لوگوں کو کچھ پوچھنا ہو تو وہ بولے ہائے رب! ہماری خرابی بیشک ہم ظالم تھے تو وہ لوگ یہی پکارتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انھیں کاٹ کر بچھایا ہوا کھیت بنا دیا۔

اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں گاؤں سے مراد گذشتہ ہلاک شدہ امتوں کے گاؤں ہیں۔ یعنی حضرت نوح و حضرت لوط و حضرت صالح و حضرت شعیب علیہم السلام کی قوموں کی بستیاں جو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک و برباد کر دی گئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (صاوی ج ۳ ص ۶۰)

درسِ ہدایت

حضرات انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و توہین اور ان کی ایذا رسانی و قتل یہ سب بڑے بڑے وہ جرم عظیم ہیں کہ خداوند قدوس کا عذاب ان لوگوں پر ضرور ہی آتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ بہت سی بستیاں انھیں جرموں میں تباہ و برباد کر دی گئیں۔

⁂

(۳۶) حضرت ذوالکفل علیہ السلام

قرآن مجید میں حضرت ذُوالکفل علیہ السلام کا ذکر صرف دو سورتوں یعنی سورۂ "انبیاء" اور سورہ "ص" میں کیا گیا ہے اور ان دونوں سورتوں میں صرف آپ کا نام مذکور ہے۔ نام کے علاوہ آپ کے حالات کا مجمل یا مفصل کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

سورہ انبیاء میں یہ ہے :۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ	اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل
كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝	کو (یاد کرو) یہ سب صبر والے
(الانبیاء رکوع ۶)	تھے۔

اور سورہ ص میں اس طرح ارشاد ہوا کہ :۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ	اور یاد کرو اور الیسع اور ذوالکفل
وَذَا الْكِفْلِ ۗ وَكُلٌّ مِّنَ	(کے واقعات) اور یہ سب نیکو کاروں
الْاَخْيَارِ ۝ (ص رکوع ۴)	میں سے تھے۔

حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید نے نام کے سوا کچھ نہیں بیان کیا ہے اسی طرح حدیثوں میں بھی آپ کا کوئی تذکرہ منقول نہیں ہے۔ لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں اس سے زیادہ نہیں کہا جا سکتا کہ ذوالکفل علیہ السلام خدا کے برگزیدہ نبی اور پیغمبر تھے۔ جو کسی قوم کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے

البتہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے فرزند ہیں اور انھوں نے خالصًا لوجہ اللہ کسی کی ضمانت کر لی تھی جس کی وجہ سے ان کو کئی برس قید کی تکلیف برداشت کرنی پڑی (موضح الفرقان سورۂ انبیاء)

اور بعض مفسرین نے تحریر فرمایا کہ حضرت ذوالکفل درحقیقت حضرت

حزقیل علیہ السلام کا لقب ہے۔

اور زمانہ حال کے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ذوالکفل "گوتم بدھ" کا لقب ہے اس لیے کہ اس کے دارالسلطنت کا نام "کپل وستو" تھا جس کا معرب "کفل" ہے اور عربی میں "ذو" "صاحب" اور "مالک" کے معنی میں بولا جاتا ہے اس لیے یہاں بھی "کپل وستو" کے مالک اور بادشاہ کو "ذوالکفل" کہا گیا اور ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ "گوتم بدھ" کی اصل تعلیم توحید اور حقیقی اسلام ہی کی تھی۔ مگر بعد میں یہ دین دوسرے ادیان وملل کی طرح مسخ ومحرف ہو گیا۔ مگر واضح رہے کہ زمانہ حال کے چند لوگوں کی یہ رائے کہ "ذوالکفل" "گوتم بدھ" کا لقب ہے میرے نزدیک یہ محض ایک خیالی تک بندی ہے۔ تاریخی اور تحقیقی حیثیت سے اس رائے کی کوئی وقعت نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ذوالکفل علیہ السلام انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں اور بنی اسرائیل کے ان حالات و واقعات کے سوا جن کی تفصیلات قرآن مجید میں مختلف انبیاء بنی اسرائیل کے ذکر میں آتی رہی ہیں۔ حضرت ذوالکفل علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی خاص واقعہ ایسا درپیش نہیں ہوا جو عام تبلیغ وہدایت سے زیادہ اپنے اندر عبرت وموعظت کا پہلو رکھتا ہو۔ اس لیے قرآن مجید نے فقط ان کے نام ہی کے ذکر پر اکتفا کیا اور حالات وواقعات کا ذکر نہیں فرمایا فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳۷) نہریں اٹھالی جائیں گی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نہروں کو جنت سے جاری فرمایا ہے (۱) جیحون (۲) سیحون (۳) دجلہ (۴) فرات (۵) نیل۔ یہ پانچوں ندیاں ایک ہی چشمہ سے جاری ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ جنت کے اس چشمہ کو پہاڑوں کے اندر

امانت رکھ دیا ہے اور پہاڑوں سے ان نہروں کو زمین پر جاری فرما دیا ہے۔ جس سے لوگ طرح طرح کے فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ جب یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت ہو گا تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو زمین پر بھیجے گا اور وہ چھ چیزوں کو زمین سے اٹھا لے جائیں گے۔ (۱) قرآن مجید (۲) تمام علوم (۳) حجرِ اسود (۴) مقام ابراہیم (۵) موسیٰ علیہ السلام کا تابوت (۶) مذکورہ بالا پانچوں نہریں اور جب یہ چھ چیزیں زمین سے اُٹھا لی جائیں گی تو دین و دنیا کی برکتیں روئے زمین سے اٹھ جائیں گی اور لوگ ان برکتوں سے بالکل محروم ہو جائیں گے۔ (صاوی ج ۳ ص ۹۵)

اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً	اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا
بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ	ایک اندازے سے۔ پھر اسے زمین
وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ	میں ٹھہرایا۔ اور بے شک
لَقٰدِرُوْنَ ۝	ہم اس کے لے جانے پر
(المومنون رکوع ۱)	قادر ہیں۔

اس آیت میں وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ کا یہی مطلب ہے کہ ان پانیوں اور نہروں کو ایک وقت ہم اٹھا کر جہاں سے ہم نے اُتارا ہے وہاں پہنچا دیں گے اور زمین سے یہ سب ناپید ہو جائیں گے۔

درسِ ہدایت تو بندوں پر لازم ہے کہ خداوند قدوس کی ان نعمتوں کی شکرگزاری کے ساتھ حفاظت کریں اور ہرگز ہرگز پانی کو بیکار ضائع نہ کریں اور ہر وقت خدا سے ڈرتے رہیں کہ کہیں یہ نعمت ہم سے سلب نہ کر لی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۸) تخلیقِ انسانی کے مراحل

اللہ تعالیٰ بڑا قادر و قیوم ہے اگر وہ چاہے تو ایک لمحہ میں ہزاروں انسانوں کو پیدا

فرمادے مگر وہ قادرِ مطلق اپنی قدرت کاملہ کے باوجود اپنی حکمتِ کاملہ سے انسانوں کو بتدریج شرفِ وجود بخشتا ہے چنانچہ نطفہ ماں کی بچہ دانی میں پہنچ کر طرح طرح کی کیفیات اور قسم قسم کے تغیرات سے ایک خاص قسم کا مزاج حاصل کر کے جما ہوا خون بن جاتا ہے۔ پھر وہ جما ہوا خون گوشت کی ایک بوٹی بن جاتا ہے۔ پھر گوشت کی بوٹی ہڈیاں بن جاتی ہیں۔ پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھ جاتا ہے اور پورا جسم تیار ہو جاتا ہے پھر اُس میں رُوح ڈالی جاتی ہے اور یہ بے جان بدن جاندار ہو جاتا ہے اور اس میں نطق اور سمع و بصر وغیرہ کی مختلف طاقتیں ودیعت رکھی جاتی ہیں۔ پھر ماں اس بچہ کو جنتی ہے اس طرح مختلف منازل و مراحل کو طے کر کے ایک انسان بتدریج عالمِ وجود میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے تخلیقِ انسانی کے ان مراحل کا نقشہ ان الفاظ میں پیش فرمایا ہے کہ

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝	پھر ہم نے انسان کو ایک پانی کی بوند بنایا ایک مضبوط ٹھہراؤ (بچہ دانی) میں، پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو جما ہوا خون بنا دیا۔ پھر جمے ہوئے خون کو گوشت کی بوٹی بنا دیا، پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنا کر پھر ان ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا۔ پھر اُسے ایک دوسری صورت میں اُٹھان دی، تو بڑی برکت والا ہے سب سے بہتر پیدا فرمانے والا۔
(المومنون رکوع ۱)	

درسِ ہدایت تخلیقِ انسانی کے ان مختلف مراحل سے گزرنے میں خداوند قدوس کی کون کون سی حکمتیں، اور کیا کیا مصلحتیں پوشیدہ

ہیں؟ ان کو بھلا ہم عام انسان کیا اور کیونکر سمجھ سکتے ہیں؟ لیکن کم سے کم ہر انسان کے لیے اس میں عبرتوں اور نصیحتوں کے بہت سے سامان ہیں تاکہ انسان یہ سوچتا رہے اور کبھی اس سے غافل نہ رہے کہ میں اصل میں کیا تھا؟ اور خداوند قدوس نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا؟ یہ غور کر کے خداوند تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان لائے اور کبھی فخر و تکبر اور خود نمائی کو اپنے قریب نہ آنے دے اور یہ سوچ کر کہ میں نطفہ کی ایک بوند سے پیدا ہوا ہوں ہمیشہ عاجزی و فروتنی کے ساتھ منکسر المزاج بن کر زندگی بسر کرے اور یہ سوچ کر قیامت پر بھی ایمان لائے کہ جس خدا نے مجھے ایک بوند نطفہ کے پانی سے انسان بنا دیا وہ بلاشبہ اس پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ مجھے زندہ کر کے میرے اعمالِ نیک و بد کا حساب لے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳۹) مُبارک درخت

قرآن مجید میں مبارک درخت سے مراد "زیتون" کا درخت ہے۔ طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد یہ سب سے پہلا درخت ہے جو زمین پر اُگا اور سب سے پہلے جہاں اُگا وہ کوہ طور ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا سے ہمکلام ہوئے۔ زیتون کے درخت کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض عالموں نے فرمایا ہے کہ تین ہزار برس تک یہ درخت باقی رہتا ہے (صاوی ج ۳ ص ۹۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ زیتون میں بہت سے فوائد اور منفعتیں ہیں۔ اس کے تیل سے چراغ جلایا جاتا ہے اور یہ بطور سالن کے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کو سر اور بدن پر مالش بھی کرتے ہیں اور یہ چمڑے کی دباغت میں بھی کام آتا ہے اور اس سے آگ بھی جلاتے ہیں اور اس کا کوئی جزو بھی بیکار نہیں۔ یہاں تک کہ اس کی راکھ سے ریشم دھو کر صاف

کیا جاتا ہے اور یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے مکانوں اور مقدس زمینوں میں اگتا ہے اور اس کے لیے ستر انبیاء کرام نے برکت کی دعائیں مانگی ہیں۔ یہانتک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دعاؤں سے بھی یہ درخت سرفراز ہوا ہے۔ (صاوی ج ۳ ص ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ نے اس مبارک درخت کے بارے میں ارشاد فرمایا

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ (المومنون رکوع ۱)	اور ہم نے وہ درخت پیدا کیا کہ وہ طور سیناء سے نکلتا ہے اور تیل اور کھانے والوں کے لیے سالن لے کر اگتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۝ (النور رکوع ۵)	اور چراغ روشن کیا جاتا ہے، برکت والے درخت زیتون سے جو نہ پورب کا ہے نہ پچھم کا۔

درسِ ہدایت

زیتون ایک بڑی برکتوں والا درخت ہے یوں تو ہر جگہ یہ درخت بغیر کسی محنت اور پرورش کے ہوتا ہے لیکن خاص طور پر ملک شام اور عام طور پر ملک عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے اور ان مقامات پر اس کا تیل بھی لوگ کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں گوشت اور مچھلی بھی اسی تیل میں تل کر لوگ کھاتے ہیں۔ اس کے تیل کو عربی میں ”زیت“ کہتے ہیں اور یہ تیل بیچنے والا ”زیات“ کہلاتا ہے اگر مل سکے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ تبرکاً اس کا استعمال کریں کیونکہ قرآن میں اس کو مبارک درخت فرمایا گیا ہے اور ستر انبیاء کرام نے اس میں برکت کے لیے دعائیں فرمائی ہیں۔ لہٰذا اس کے بابرکت ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں اور

جب بابرکت چیز ہے تو اس میں یقیناً فوائد و منافع بھی بہت زیادہ ہوں گے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴۰) اصحاب الرّس کون ہیں؟

"رس" لغت میں پرانے کنوئیں کے معنی میں آیا ہے۔ اس لیئے "اصحاب الرس" کے معنی ہوئے "کنوئیں والے" اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "اصحاب الرّس" کے نام سے ایک قوم کی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے اس کی ہلاکت کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ سورۂ فرقان میں ارشاد فرمایا کہ

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ○ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ○ (الفرقان رکوع ۴)	اور عاد اور ثمود اور اصحاب الرس کو اور ان کے درمیانی زمانہ کی بہت سی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور ہم نے ہر ایک کے واسطے مثالیں بیان کیں اور ہم نے ان سب کو تباہ کر کے مٹا دیا

اور سورہ قٓ میں ہلاک شدہ قوموں کی فہرست بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا کہ:-

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۙ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۙ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ○	ان سے پہلے بھی نوح کی قوم اور اصحاب الرّس اور ثمود و عاد و فرعون و برادران لُوط و اصحاب ایکہ اور تُبّع کی قوم، ان میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو ان سبھوں پر میرا عذاب لازمی طور پہ آ گیا۔

(قٓ رکوع ۱)

"اصحاب الرس" کون تھے اور کہاں رہتے تھے۔ اس بارے میں مفسرین کے اقوال اس قدر مختلف ہیں کہ حقیقت حال بجائے منکشف ہونے کے اور زیادہ مستور ہو گئی ہے۔ بہر حال ہم مختصراً چند اقوال یہاں ذکر کر کے ایک اپنی بھی پسندیدہ بات تحریر کرتے ہیں۔

قول اوّل:۔ علامہ ابن جریر کی رائے یہ ہے کہ "رس" کے معنی غار کے بھی آتے ہیں۔ اس لیے "اصحاب الاخدود" (گڑھے والوں) ہی کو "اصحاب الرس" بھی کہتے ہیں۔

قول دوم:۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اس قول کو حق بتایا ہے کہ "اصحاب الرس" قوم عاد سے بھی صدیوں پہلے ایک قوم کا نام ہے یہ لوگ جس جگہ آباد تھے وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر حضرت حنظلہ بن صفوان کو مبعوث فرمایا تھا اس سرکش قوم نے اپنے نبی کی بات نہیں مانی اور کسی طرح بھی حق کو قبول نہیں کیا بلکہ اپنے پیغمبر کو قتل کر دیا۔ جس کی سزا میں پوری قوم عذابِ الٰہی سے ہلاک و برباد ہو گئی۔ (تفسیر ابن کثیر سورۂ فرقان و تاریخ ابن کثیر ج ۱)

قول سوم:۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ آذربائیجان کے قریب ایک کنواں تھا اس کنوئیں کے قریب جو قوم آباد تھی اس نے اپنے نبی کو کنوئیں میں ڈال کر زندہ دفن کر دیا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کو "اصحاب الرس" کہا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر سورہ فرقان و تاریخ ابن کثیر ج ۱)

قول چہارم:۔ قتادہ کہتے ہیں کہ "یمامہ" کے علاقہ میں "فلج" نامی ایک بستی تھی۔ "اصحاب الرس" وہیں آباد تھے اور یہ وہی قوم ہے جس کو قرآن مجید میں "اصحاب القریہ" بھی کہا گیا ہے اور یہ مختلف نسبتوں سے پکارے جاتے ہیں۔

قول پنجم:۔ ابوبکر عمر نقاش اور سُہیلی کہتے ہیں کہ "اصحاب الرس" کی آبادی میں ایک بہت بڑا کنواں تھا جس کا پانی وہ لوگ پیتے بھی تھے اور اس سے

اپنے کھیتوں کی آبپاشی بھی کرتے تھے۔ اوران لوگوں نے گمراہ ہو کر اپنے پیغمبر کو قتل کر دیا تھا۔ اس جرم میں عذابِ الٰہی اُتر پڑا اور یہ پوری قوم ہلاک و برباد ہو گئی۔

قول ششم :۔ محمد بن کعب قُرظی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الْعَبْدُ الْاَسْوَدُ یعنی جنت میں سب سے پہلے جو شخص داخل ہو گا وہ ایک کالا غلام ہو گا۔

اور یہ اس لیے کہ ایک بستی میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک نبی بھیجا مگر ایک کالے غلام کے سوا کوئی ان پر ایمان نہیں لایا پھر اہلِ شہر نے اس نبی کو ایک کنوئیں میں ڈال کر کنوئیں کے منہ کو ایک بہت بھاری پتھر سے بند کر دیا، تاکہ کوئی کھول نہ سکے مگر یہ سیاہ فام غلام روزانہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور ان کو فروخت کر کے کھانا خریدتا اور کنوئیں پر پہنچ کر پتھر اٹھاتا اور نبی کی خدمت میں کھانا پیش کرتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس غلام پر جنگل میں نیند طاری کر دی اور یہ چودہ سال تک سوتا ہی رہ گیا۔ اس درمیان میں قوم کا دل بدل گیا اور ان لوگوں نے نبی کو کنوئیں میں سے نکال کر توبہ کر لی اور ایمان قبول کر لیا پھر چند دنوں کے بعد نبی کی وفات ہو گئی۔ چودہ سال کے بعد جب کالے غلام کی آنکھ کھلی تو اس نے سمجھا کہ میں چند گھنٹے سویا ہوں، جلدی جلدی لکڑیاں کاٹ کر وہ شہر میں پہنچا تو یہ دیکھا کہ شہر کے حالات بدلے ہوئے ہیں دریافت کیا تو سارا قصہ معلوم ہوا اور اسی غلام کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سب سے پہلے ایک کالا غلام جائے گا (مروج الذہب ص۸۶)

قول ہفتم :۔ مشہور مؤرخ علامہ مسعودی بیان کرتے ہیں کہ "اصحاب الرس" حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور یہ دو قبیلے تھے "قیدما" (قیدماہ) اور دوسرا "یامین" یا "رعویل" اور یہ دونوں قبیلے یمن میں آباد تھے۔

(ارض القرآن ج ۲ ص۵۶)

قول ہشتم: مصر کے ایک عالم فرج اللہ ذکی کردی کہتے ہیں کہ لفظ "رس" "ارس" کا مخفف ہے اور یہ شہر قفقاز کے علاقہ میں واقع ہے اس وادی میں اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو مبعوث فرمایا جن کا نام ابراہیم زردشت تھا انھوں نے اپنی قوم کو دینِ حق کی دعوت دی مگر ان کی قوم نے سرکشی اور بغاوت اختیار کی چنانچہ یہ قوم عذابِ الٰہی سے ہلاک کر دی گئی۔

"اصحاب الرس" کے بارے میں یہ آٹھ اقوال ہیں جن میں سبھی اقوال معرضِ بحث میں ہیں اور لوگوں نے ان اقوال و روایات پر کافی رد و قدح کیا ہے جن کی تفصیلات کو ذکر کر کے ہم اپنی مختصر کتاب کو طول دینا پسند نہیں کرتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ "اصحاب الرس" کے بارے میں قرآن مجید سے اتنا تو پتا چلتا ہے کہ ان لوگوں کا وجود یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل ہو گذرا ہے اب رہا یہ فیصلہ کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کے زمانہ کی کسی قوم کا تذکرہ ہے یا کسی قدیم العہد قوم کا ذکر ہے تو قرآن مجید نے اس کے بارے میں کچھ بھی بیان نہیں فرمایا ہے، اور مذکورہ بالا تفسیری روایتوں سے اس کا قطعی فیصلہ ہونا بہت ہی مشکل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۴) اصحاب ایکہ کی ہلاکت

"ایکہ" جھاڑی کو کہتے ہیں ان لوگوں کا شہر سرسبز جنگلوں اور ہرے بھرے درختوں کے درمیان تھا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہدایت کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا آپ نے "اصحاب ایکہ" کے سامنے جو وعظ فرمایا وہ قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے آپ نے فرمایا کہ:-

اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ ۔ کیا تم لوگ ڈرتے نہیں۔ بیشک میں

أَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ
أَطِيْعُوْنِ ۚ وَمَا أَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ
إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ
أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا
مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۚ وَزِنُوْا
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۚ
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ ۚ وَاتَّقُوا الَّذِيْ
خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِيْنَ ۚ
قَالُوْا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ
الْمُسَحَّرِيْنَ ۙ وَمَا أَنْتَ
إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ
نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۚ
فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ
السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ
قَالَ رَبِّيْ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۚ
فَكَذَّبُوْهُ فَأَخَذَهُمْ
عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ
إِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ۚ
(شعراء رکوع ۱۰)

تمھارے لیے اللہ کا امانت دار رسول
ہوں۔ لہٰذا تم لوگ اللہ سے ڈرو، اور
میرا حکم مانو۔ اور میں اس (ہدایت)
پر تم لوگوں سے کوئی اجرت نہیں
مانگتا۔ میرا اجر تو وہی دے گا، جو
سارے جہان کا پروردگار ہے۔ ناپ
پورا دو اور ناپ تول گھٹانے والوں
میں سے مت ہو جاؤ اور درست ترازو
سے تولو اور لوگوں کو چیزیں کم کر کے
نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد پھیلاتے
نہ پھرو اور اس ذات سے ڈرو، جس
نے تم کو اور اگلی مخلوق کو پیدا کیا ہے
(یہ وعظ سن کر) وہ لوگ بولے کہ (اے
شعیب) تم پر جادو کر دیا گیا ہے اور
تم تو ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔
اور یقیناً ہم تمھیں جھوٹا سمجھتے ہیں تو ہم
پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو اگر تم سچے
ہو تو آپ نے فرمایا کہ میرا رب خوب
جانتا ہے تمھارے کرتوت کو
تو ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلا دیا
تو انھیں شامیانے والے دن کے
عذاب نے پکڑ لیا۔ بلاشبہ وہ بڑے
دن کا عذاب ہے۔

خلاصہ یہ کہ "اصحاب ایکہ" نے حضرت شعیب علیہ السّلام کی مصلحانہ تقریر کو سن کر بدزبانی کی اور اپنی سرکشی اور غرور و تکبّر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پیغمبر کو جھٹلا دیا اور یہاں تک اپنی سرکشی کا اظہار کیا کہ پیغمبر سے یہ کہہ دیا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا کر ہم کو ہلاک کر دو۔

اس کے بعد اس قوم پر خداوند قہّار و جبّار کا قاہرانہ عذاب آگیا وہ عذاب کیا تھا؟ سنیے اور عبرت حاصل کیجیے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جس سے پوری آبادی میں شدید گرمی اور لُو کی حرارت و تپش پھیل گئی اور بستی والوں کا دم گھٹنے لگا تو وہ لوگ اپنے گھروں میں گھسنے لگے اور اپنے اوپر پانی کا چھڑکاؤ کرنے لگے مگر پانی اور سایہ سے انھیں کوئی چین اور سکون نہیں ملتا تھا۔ اور گرمی کی تپش سے ان کے بدن جھلسے جا رہے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بدلی بھیجی جو شامیانے کی طرح پوری بستی پر چھا گئی اور اس کے اندر ٹھنڈک اور فرحت بخش ہوا تھی یہ دیکھ کر سب گھروں سے نکل کر اس بدلی کے شامیانے میں آگئے جب تمام آدمی بدلی کے نیچے آگئے تو زلزلہ آیا اور آسمان سے آگ برسی۔ جس میں سب کے سب ٹڈیوں کی طرح تڑپ تڑپ کر جل گئے۔ ان لوگوں نے اپنی سرکشی سے یہ کہا تھا کہ اے شعیب! ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا کر ہم کو ہلاک کر دو۔ چنانچہ وہی عذاب اس صورت میں اس سرکش قوم پر آگیا اور سب کے سب جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے (صاوی ج ۳ ص۱۵۰)

ایک ضروری توضیح

واضح رہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے ایک قوم "مدین" دوسرے "اصحاب ایکہ" ان دونوں قوموں نے آپ کو جھٹلا دیا، اور اپنے طغیان و عصیان کا مظاہرہ اور اپنی سرکشی کا اظہار کرتے ہوئے ان دونوں قوموں نے آپ کے ساتھ بے ادبی اور بدزبانی کی اور دونوں قومیں عذاب الٰہی سے

ہلاک کردی گئیں "اصحاب مدین" پر تو یہ عذاب آیا کہ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی چیخ اور چنگھاڑ کی ہولناک آواز سے زمین دہل گئی اور لوگوں کے دل خوفِ دہشت سے پھٹ گئے اور سب دم زدن میں موت کے گھاٹ اُتر گئے۔

اور "اصحاب ایکہ" "عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ" سے ہلاک کردیئے گئے جس کا تفصیلی بیان ابھی ابھی آپ پڑھ چکے (صاوی ج ۲ ص۱۵۰)

(۴۲) حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی ہجرت

حضرت موسیٰ علیہ السلام بچپن ہی سے فرعون کے محل میں پلے بڑھے، مگر جب جوان ہو گئے تو فرعون اور اس کی قوم قبطیوں کے مظالم دیکھ کر بے زار ہو گئے اور فرعونیوں کے خلاف آواز بلند کرنے لگے۔ اس پر فرعون اور اس کی قوم جو "قبطی" کہلاتے تھے آپ کے دشمن بن گئے اور آپ فرعون کا محل بلکہ اس کا شہر چھوڑ کر اطراف میں چھپ کر رہنے لگے ایک دن جب شہر والے دوپہر میں قیلولہ کر رہے تھے تو آپ چپکے سے شہر میں داخل ہو گئے اور اس شہر کا نام "مُنف" تھا جو مصر کے حدود میں واقع ہے اور "مُنف" دراصل "مافہ" تھا جو عربی میں "منف" ہو گیا اور بعض کا قول یہ ہے کہ یہ شہر "عین الشمس" تھا اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ شہر "حابین" تھا جو مصر سے دو کوس دور ہے (جمل و خازن) یا "ام خنان" یا مصر تھا (صاوی ج ۲ ص۱۷۶)

جب آپ شہر میں پہنچے تو یہ دیکھا کہ ایک شخص آپ کی قوم کا اسرائیلی اور ایک شخص فرعون کی قوم کا قبطی دونوں لڑ جھگڑ رہے ہیں اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کر کے مدد مانگی۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک گھونسہ مار دیا جس سے اس کا دم نکل گیا

اس پر آپ کو بہت افسوس ہوا اور آپ خدا سے استغفار کرنے لگے فرعون کی قوم کے لوگوں نے فرعون کو اطلاع دی کہ کسی اسرائیلی نے ہمارے ایک قبطی کو مار ڈالا ہے اس پر فرعون نے قاتل اور گواہوں کی تلاش کا حکم دیا۔ فرعونی چاروں طرف گشت کرتے پھرتے تھے۔ مگر کوئی سراغ نہیں ملتا تھا۔ رات بھر صبح تک حضرت موسیٰ علیہ السلام فکرمند رہے کہ خدا جانے اس قبطی کے مارے جانے کا کیا نتیجہ نکلے گا اور اسکی قوم کے لوگ کیا کریں گے؟ دوسرے روز جب موسیٰ علیہ السلام کو پھر ایسا اتفاق پیش آیا کہ وہی اسرائیلی جس نے ایک دن پہلے آپ سے مدد طلب کی تھی آج پھر ایک فرعونی سے لڑ رہا تھا تو آپ نے اسرائیلی کو ڈانٹا کہ تو روز روز لوگوں سے لڑتا ہے اپنے کو بھی پریشانی میں ڈالتا ہے اور اپنے مددگاروں کو بھی فکر میں مبتلا کرتا ہے لیکن پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسرائیلی پر رحم آگیا اور آپ نے چاہا کہ اس کو فرعونی کے ظلم سے بچائیں۔ تو اسرائیلی بولا کہ اے موسیٰ! کیا تم مجھے بھی ایسے ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ کل تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ کیا تم یہی چاہتے ہو کہ زمین میں سخت گیر ہو اور اصلاح چاہتے ہی نہیں اتنے میں شہر کے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور یہ خبر دی کہ دربارِ فرعون کے قبطی آپس میں آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں لہٰذا آپ شہر سے نکل جائیے میں آپ کا خیر خواہ ہوں تو آپ ڈرتے ہوئے شہر کے باہر نکل گئے اور اس انتظار میں رہے کہ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے؟ پھر آپ نے یہ دعا مانگی کہ اے میرے رب! مجھے ظالموں سے بچالے۔ یہ دعا مانگ کر آپ ہجرت کر کے مدین حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ انھوں نے آپ کو پناہ دی اور پھر اپنی ایک صاحبزادی بی بی صفورا سے آپکا نکاح بھی کر دیا (قرآن مجید سورہ قصص رکوع ۲)

جس شخص نے شہر کے کنارے سے دوڑتے ہوئے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کے قتل کا منصوبہ تیار ہونے کی خبر دی اور ہجرت کا مشورہ دیا وہ فرعون کے چچا کا لڑکا تھا جس کا نام حزقیل یا شمعون یا سمعان تھا یہ خاندان فرعون میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا (صاوی ج ۲ ص ۱۶۶)

درسِ ہدایت اس واقعہ سے علماءِ حق کو عبرت و نصیحت حاصل کرنی چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام راہِ تبلیغ میں کیسے کیسے حادثات سے دوچار ہوئے مگر صبر و استقامت کا دامن ان حضرات کے ہاتھوں سے نہیں چھوٹا یہاں تک کہ نصرت خداوندی نے ان حضرات کی ایسی دستگیری فرمائی کہ یہ حضرات کامیاب ہو کر رہے اور ان کے دشمنوں کو ہزیمت اور ہلاکت نصیب ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴۳) مکڑی کا گھر

کفار نے بتوں کو معبود بنا کر ان کی امداد و اعانت اور نصرت و نفع رسانی پر جو اعتماد اور بھروسا کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کی اس حماقت مآبی کے اظہار اور ان کی خود فریبیوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے ایک عجیب مثال بیان فرمائی ہے جو بہت زیادہ عبرت خیز اور اعلیٰ درجے کی نصیحت آموز ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ:۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا ؕ وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝

ان کی مثال جنھوں نے اللہ کے سوا بتوں کو اپنا مالک بنا لیا ہے۔ مکڑی کی طرح ہے کہ اس نے جالے کا گھر بنایا اور بیشک سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے کیا ہی اچھا ہوتا

اگر یہ لوگ جان لیتے۔ (العنکبوت رکوع ۴)

مطلب یہ ہے کہ مکڑی جالے کا گھر بنا کر اپنے خیال میں مگن رہتی ہے کہ میں مکان میں بیٹھی ہوئی ہوں مگر اس کے مکان کا یہ حال ہے کہ وہ نہ دھوپ سے بچا سکتا ہے نہ بارش سے، نہ گرمی سے محفوظ رکھ سکتا ہے نہ سردی سے حفاظت کر سکتا ہے اور ہوا کے ایک معمولی جھونکے سے تہس نہس ہو کر برباد ہو جایا کرتا ہے۔ یہی حال کفّار کا ہے کہ ان لوگوں نے بتوں کو اپنے نفع و نقصان کا مالک بنا لیا ہے اور ان بتوں کی امداد و نصرت پر اعتماد اور بھروسا کر رکھا ہے۔ حالانکہ بتوں سے ہرگز ہرگز کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچ سکتا اور کافروں کا بتوں پر اعتماد اتنا ہی کمزور سہارا ہے جتنا کہ مکڑی کا جالا کمزور ہوتا ہے۔ کاش کفار اس بات کو سمجھ لیتے تو یہ ان کے حق میں بہت ہی اچھا ہوتا!

مکڑی

مکڑی ایک عجیب الخلقت جانور ہے۔ اس کے آٹھ پاؤں اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں یہ بہت ہی قناعت پسند جانور ہے۔ مگر خدا کی شان کہ سب سے حریص جانور یعنی مکھی اور مچھر اس کی غذا ہیں۔ مکڑی کئی کئی دنوں تک بھوکی پیاسی بیٹھی رہتی ہے مگر اپنے جالے سے نکل کر غذا تلاش نہیں کرتی۔ جب جالے کے اندر کوئی مکھی یا مچھر پھنس جاتا ہے تو یہ اُس کو کھا لیتی ہے ورنہ صبر و قناعت کر کے پڑی رہتی ہے۔

مکڑی کے فضائل میں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ ہجرت کے وقت جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں تشریف فرما تھے تو مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا تھا اور کبوتری نے انڈے دے دیے تھے۔ جس کو دیکھ کر کفّار واپس چلے گئے کہ اگر غار میں کوئی شخص گیا ہوتا تو مکڑی کا جالا اور انڈہ ٹوٹ گیا ہوتا (صاوی ج ۳ ص ۱۹۷)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ اپنے گھروں سے مکڑیوں کے جالوں کو دور کرتے رہو کہ یہ مُفلسی اور ناداری کا باعث ہوتے ہیں۔

(خزائن العرفان صـ ۴۷۶)

(۴۴) حضرت لقمان حکیم

حضرت لقمان کی مدح وثنا اور ان کی بعض نصیحتوں کا تذکرہ قرآن میں بڑی عظمت وشان کے ساتھ بیان گیا گیا ہے اور انہیں کے نام پر قرآن مجید کی ایک سورہ کا نام "سورۂ لقمان" رکھا گیا۔

محمد بن اسحٰق صاحب مغازی نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔ لقمان بن باعور بن باحور بن تارخ۔ یہ تارخ وہی ہیں جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے والد ہیں اور بعض مؤرخین نے فرمایا کہ آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے تھے اور بعض کا قول ہے کہ آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔

حضرت لقمان نے ایک ہزار برس کی عمر پائی یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر ان سے علم سیکھا اور حضرت داؤد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے آپ بنی اسرائیل کے مفتی تھے مگر جب حضرت داؤد علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہو گئے تو آپ نے فتویٰ دینا ترک کر دیا اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت لقمان نے فرمایا ہے کہ میں نے چار ہزار نبیوں کی خدمت میں حاضری دی ہے اور ان پیغمبروں کے مقدس کلاموں میں سے آٹھ باتوں کو میں نے چن کر یاد کر لیا ہے۔ جو یہ ہیں۔

(۱) جب تم نماز پڑھو تو اپنے دل کی حفاظت کرو

(۲) جب تم کھانا کھاؤ تو اپنے حلق کی حفاظت کرو۔

(۳) جب تم کسی غیر کے مکان میں رہو تو اپنی آنکھوں کی حفاظت کرو

(۴) جب تم لوگوں کی مجلس میں رہو تو اپنی زبان کی حفاظت رکھو۔

(۵) اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد رکھو۔

(۶) اپنی موت کو ہمیشہ یاد کرتے رہا کرو۔

(۷) اپنے احسانوں کو بھلا دو۔

(۸) دوسروں کے ظلم کو فراموش کر دو۔

حضرت عکرمہ اور امام شعبی کے سوا جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ آپ نبی نہیں تھے بلکہ آپ حکیم تھے اور بنی اسرائیل کے نہایت ہی بلند مرتبہ، صاحب ایمان اور بہت ہی نامور مرد صالح تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ کو حکمتوں کا خزینہ بنا دیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ	اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی
اَنِ اشْکُرْ لِلّٰهِ ط وَمَنْ	کہ اللہ کا شکر کرو اور جو شکر کرے وہ
یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهٖ ج	اپنے بھلے کے لیے شکر کرتا ہے اور
وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ	جو ناشکری کرے تو بیشک اللہ بے پروا
حَمِیْدٌ ٥ (لقمٰن رکوع ۲)	ہے تعریف کیا ہوا ہے۔

حضرت لقمٰن عمر بھر لوگوں کو نصیحتیں فرماتے رہے تفسیر فتح الرحمٰن میں ہے کہ آپ کی قبر مقام "صرفند" میں ہے جو "رملہ" کے قریب ہے اور حضرت قتادہ کا قول ہے کہ آپ کی قبر "رملہ" میں مسجد اور بازار کے درمیان میں ہے اور اس جگہ ستّر انبیاء علیہم السلام بھی مدفون ہیں۔ جن کو آپ کے بعد یہودیوں نے بیت المقدس سے نکال دیا تھا اور یہ لوگ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر وفات پا گئے تھے آپ کی قبر پر ایک بلند نشان ہے اور لوگ اس قبر کی زیارت کے لیے دور دور سے جایا کرتے ہیں (روح البیان ج ۷، ص۷۰ وصاوی ج ۳ ص ۲۱۰)

حکمت کیا ہے؟

"حکمت" "عقل و فہم" کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا کہ "حکمت" "معرفت اور اصابت فی الامور کا نام ہے اور بعض کے نزدیک حکمت ایک ایسی شے ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے دل میں یہ رکھ دیتا ہے اس کا دل روشن ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ مختلف اقوال ہیں اللہ تعالیٰ نے

حضرت لقمان کو نیند کی حالت میں اچانک حکمت عطا فرمادی تھی بہر حال نبوت کی طرح حکمت بھی ایک وہبی چیز ہے کوئی شخص اپنی جدو جہد اور کسب سے حکمت حاصل نہیں کر سکتا۔ جس طرح کہ بغیر خدا کے عطا کیے کوئی شخص اپنی کوششوں سے نبوت نہیں پا سکتا یہ اور بات ہے کہ نبوت کا درجہ حکمت کے مرتبے سے بہت اعلیٰ اور بلند تر ہے (روح البیان ج ۷، ص۷۵)

حضرت لقمان نے اپنے فرزند کو جن کا نام "انعم" تھا، چند نصیحتیں فرمائی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ لقمان میں ہے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی دوسری نصیحتیں آپ نے فرمائی ہیں جو تفاسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

مشہور ہے کہ آپ درزی کا پیشہ کرتے تھے اور بعض نے کہا کہ آپ بکریاں چراتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ حکمت کی باتیں بیان کر رہے تھے تو کسی نے کہا کہ کیا تم فلاں چرواہے نہیں ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ کیوں نہیں میں یقیناً وہی چرواہا ہوں تو اس نے کہا کہ آپ حکمت کے اس مرتبہ پر کس طرح فائز ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا کہ باتوں میں سچائی اور امانتوں کی ادائیگی اور بیکار باتوں سے پرہیز کرنے کی وجہ سے (صاوی ج ۳ ص۲۱۱)

(۴۵) امانت کیا ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں امانت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی	بیشک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ	اور زمینوں اور پہاڑوں پر تو انھوں
فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ	نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط	اور اس سے ڈر گئے! اور آدمی نے
اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ	اس کو اٹھا لیا بیشک وہ اپنی جان کو

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ
وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ہ
(الاحزاب رکوع ۹)

مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے
تاکہ اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق
عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں
کو ۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے
مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی
اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

وہ امانت جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش فرمایا تو ان سبھوں نے خوفِ الٰہی سے ڈر کر اس امانت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن انسان نے امانت کے اس بوجھ کو اٹھا لیا ۔ سوال یہ ہے کہ وہ امانت درحقیقت کیا چیز تھی ؟ تو اس کے بارے میں مفسرین کے چند اقوال ہیں مگر حضرت علامہ احمد صاوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس امانت کی سب سے بہترین تفسیر یہ ہے کہ وہ امانت شرعی پابندیوں کی ذمہ داری ہے ۔

روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شریعت کی پابندیوں کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے رُوبرو پیش فرمایا تو ان تینوں نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ ! ہمیں اس بارِ گراں کے اٹھانے میں کیا حاصل ہو گا ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم اِن احکام شریعت کی پابندی کرو گے تو تمھیں بہترین صلہ و انعام عطا کیا جائے گا اور اگر تم شریعت کے حکموں کی نافرمانی کرو گے تو تمھیں عذاب دیا جائے گا تو تینوں نے جواب میں عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ ! ہم تو بہر حال تیرے حکم کے فرمانبردار ہیں ۔ باقی ثواب و عذاب سے ہمیں کوئی مطلب نہیں ہے لیکن خوفِ الٰہی سے ڈر کر کانپتے ہوئے ان تینوں نے اس امانت کو قبول کرنے سے اپنی معذوری ظاہر کرتے ہوئے انکار کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش فرمایا تو آپ نے بھی دریافت کیا کہ امانت کی ذمہ داری قبول کر لینے سے ہمیں کیا ملے گا ؟ تو باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم اچھی طرح اس کی پابندی کرو گے تو تمھیں بڑے بڑے

انعام و اکرام سے نوازا جائے گا اور اگر تم نے نافرمانی کی تو طرح طرح کے عذابوں میں تمہیں گرفتار کیا جائے گا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس بار امانت کو اٹھا لیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! میں اس سلسلے میں تیری مدد کروں گا

(صاوی ج ۲ صہ ۲۴۱)

درسِ ہدایت

ابلیس نے سجدۂ آدم علیہ السلام کے بارے میں خُدا کا حکم ماننے سے انکار کیا تو وہ راندۂ درگاہِ الٰہی ہو کر دونوں جہاں میں مردود ہو گیا۔ مگر آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں نے امانت کو اٹھانے کے بارے میں حکم الٰہی ماننے سے انکار کیا تو وہ بالکل معتوب نہیں ہوئے اس کی کیا وجہ ہے؟ اور اس کا راز کیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ابلیس کے انکار اور آسمانوں وغیرہ کے انکار میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ ابلیس کا انکار بطورِ استکبار (تکبّر) تھا اور آسمانوں وغیرہ کا انکار بطور استصغار (تواضع) تھا۔ یعنی ابلیس نے اپنے کو بڑا سمجھ کر سجدۂ آدم علیہ السلام سے انکار کیا تھا اور آسمانوں وغیرہ نے اپنے کو چھوٹا سمجھ کر بارِ امانت اٹھانے سے انکار کیا تھا اور ظاہر ہے کہ تکبّر وہ گناہِ عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے اور تواضع وہ پیاری ادا ہے جو خُداوند قدوس کو بیحد محبوب ہے یہی وجہ ہے کہ ابلیس انکار کر کے عذابِ دارین کا حقدار بن گیا اور آسمان و زمین وغیرہ انکار کر کے موردِ عتاب بھی نہیں ہوئے بلکہ خُدا کے رحم و کرم کے مستحق ہو گئے۔

اللہ اکبر! کہاں استکبار؟ اور کہاں استصغار؟ کہاں تکبّر؟ اور کہاں تواضع؟ کہاں اپنے کو بڑا سمجھنا؟ اور کہاں اپنے کو چھوٹا سمجھنا دونوں میں بہت عظیم فرق ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو تکبّر سے بچائے اور تواضع کا خوگر بنائے۔ (آمین) واللہ تعالیٰ اعلم۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۴۶) جنّ اور جانور فرمانبردار

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک خاص معجزہ اور اُن کی سلطنت کا ایک خصوصی امتیاز یہ ہے کہ ان کے زیرِ نگین صرف انسان ہی نہیں تھے بلکہ جن اور حیوانات بھی تابعِ فرمان تھے اور سب آپ کے حاکمانہ اقتدار کے زیرِ حکم تھے اور یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ دربارِ خداوندی میں یہ دعا کی تھی کہ

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَھَبْ لِیْ	اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے
مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ	ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد
بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ	کسی کے لیے بھی میسر نہ ہو۔ بے شک تو
(صٓ رکوع ۳)	بہت عطا فرمانے والا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مقبول فرمالی اور آپ کو ایسی عجیب و غریب حکومت اور بادشاہی عطا فرمائی کہ نہ آپ سے پہلے کسی کو ملی، نہ آپ کے بعد کسی کو میسّر ہوئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ گذشتہ رات ایک سرکش جن نے یہ کوشش کی کہ میری نماز میں خلل ڈالے تو خداوند تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قابو دے دیا اور میں نے اس کو پکڑ لیا اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ اس کو مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب دن میں اس کو دیکھ سکو۔ مگر اس وقت مجھ کو اپنے بھائی سلیمان (علیہ السّلام) کی یہ دعا یاد آ گئی کہ وَھَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ یہ یاد آتے ہی میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ (بخاری کتاب الانبیاء و فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ خداوند تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل کے خصائص و معجزات اور خصوصی امتیازات و کمالات مجھ میں جمع فرما دیئے ہیں اس لیے قوم جن کی تسخیر پر بھی مجھ کو قدرت حاصل ہے لیکن چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس اختصاص کو اپنا خصوصی طغراءِ امتیاز قرار دیا ہے اس لیے میں نے اس سلسلہ کا مظاہرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ قرآن کریم کی حسب ذیل آیتوں میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس معجزانہ اقتدار حکومت کا تذکرہ ہے۔

(۱) وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ج وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ o (الانبیاء رکوع ۶)

اور شیطان (سرکش جنوں) میں سے ہم نے مسخر کر دیئے وہ جو اس (سلیمان علیہ السلام) کے لیے غوطے لگاتے (اور بیش قیمت سمندری سامان نکالتے) اور اس کے علاوہ دوسرے بہت سے کام انجام دیتے اور ہم انکے نگران اور نگہبان ہیں

اسی طرح سورہ "سبا" میں ارشاد فرمایا :۔

(۲) وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ط وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ه يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ط (السبا رکوع ۲)

اور جنوں میں سے وہ تھے جو انکی خدمت انجام دیتے تھے ان کے پروردگار کے حکم سے اور جو کوئی ہمارے حکم کے خلاف کجروی کرے ہم اس کو دوزخ کا عذاب چکھائیں گے۔ وہ (جن) ان کے لیے بناتے تھے وہ جو چاہتے تھے محرابیں اور تصویریں اور بڑے بڑے لگن جو حوضوں کے مانند تھے اور بڑی بڑی دیگیں جو اپنی بڑائی کی وجہ سے ایک جگہ جمی رہیں۔

اور سورہ نمل میں یہ فرمایا کہ :-

(٣) وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ ○

(النمل رکوع ٢)

اور اکٹھے کیے گئے سلیمان (علیہ السلام) کے لیے ان کے لشکر جنوں میں سے، انسانوں میں سے ، اور پرندوں میں سے اور وہ درجہ بدرجہ کھڑے کیے جاتے ہیں ۔

اور سورۂ صٓ میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ

(٤) وَالشَّیٰطِیْنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ○ وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ○ ھٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِکْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○

(صٓ رکوع ٣)

اور مسخر کردیئے سلیمان (علیہ السلام) کے لیے شیاطین (سرکش جن) ہر قسم کے کام کرنے والے، عمارت بنانیوالے اور دریا میں غوطہ لگانے والے اور وہ (سرکش جن) جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یہ ہماری عطا ہے چاہے اس کو بخشدو چاہے روکے رکھو اس کا کوئی محاسبہ نہیں ہوگا ۔

درسِ ہدایت

بعض ملحدین جن کو معجزات کے انکار اور انکارِ جن کا مرض ہوگیا ہے وہ لوگ ان آیتوں کے بارے میں عجیب عجیب مضحکہ خیز باتیں بکتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "جن" سے مراد انسانوں کی ایک ایسی قوم ہے جو اس زمانے میں بہت قوی ہیکل اور دیوپیکر تھی اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ کسی کے قابو میں نہیں آتی تھی اور حیوانات کی تسخیر کے بارے میں یہ بکتے ہیں کہ قرآن میں اس سلسلے کا ذکر صرف "ہُدہُد" سے متعلق ہے اور یہاں "ہُدہُد" سے پرند مُراد نہیں ہے بلکہ ہُدہُد ایک آدمی کا نام تھا جو پانی کی تفتیش پر مقرر تھا ۔

اس قسم کی لغویات اور رکیک باتیں کرنے والے یا تو جذبہ الحاد میں قصداً قرآن مجید کی تحریف کرتے ہیں یا قرآن کی تعلیمات سے جاہل ہونے کے باوجود اپنے دعوٰی بلا دلیل پر اصرار کرتے رہتے ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ قرآن مجید نے "جن" کے متعلق جابجا بصراحت یہ اعلان کیا ہے کہ وہ انسانوں سے جدا خدا کی ایک مخلوق ہے صرف ایک آیت پڑھ لو جو اس بارے میں قول فیصل ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ہ یعنی ہم نے جن اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ خدا کے عبادت گزار بنیں۔

دیکھ لو اس آیت میں جن کو ایک انسان سے جدا ایک مخلوق ظاہر کرکے دونوں کی تخلیق کی حکمت بیان کی گئی ہے لہٰذا اس آیت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا کہ جن انسانوں ہی میں سے ایک قوی ہیکل قوم کا نام ہے۔ غور کیجیے کہ یہ کتنی بڑی جہالت کی بات ہے۔

اسی طرح جب "ہُدہُد" کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف صاف پرند فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ "وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ" یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کا جائزہ لیا تو اس تصریح کے بعد کسی کو کیا حق ہے کہ اس کے خلاف کوئی رکیک اور لچر تاویل کرے۔ اور یہ کہے کہ ہُدہُد پرند نہیں تھا بلکہ ایک آدمی کا نام تھا۔ سوچیے کہ یہ مغرب زدہ ملحدوں کا علم ہے یا ان کی جہالت کا قطب مینار ہے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ہ

(۴۷) ہوا پر حکومت

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ بھی ایک خاص معجزہ اور آپ کی نبوت کا خصوصی امتیاز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے "ہوا" کو ان کے حق میں مسخر کردیا تھا اور وہ ان کے زیر فرمان کردی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب چاہتے

تو صبح کو ایک مہینے کی مسافت اور شام کو ایک مہینے کی مسافت کی مقدار ہوا کے دوش پر سفر کر لیتے تھے۔

قرآن کریم نے آپ کے اس معجزے کے متعلق تین باتیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حق میں مسخر کر دیا دوسرے یہ کہ ہوا ان کے حکم کے اس طرح تابع تھی کہ شدید تیز و تند ہونے کے باوجود ان کے حکم سے نرم اور آہستہ روی کے باعث راحت ہو جاتی تھی تیسری بات یہ کہ ہوا نرم رفتاری کے باوجود اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صبح و شام کا جُداجُدا سفر ایک شہ سوار کے مسلسل ایک ماہ کی رفتار کے برابر تھا گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت انجن اور مشین جیسے ظاہری اسباب سے بالاتر صرف ان کے حکم سے ایک بہت تیز رفتار ہوائی جہاز سے بھی زیادہ تیز مگر سبک روی کے ساتھ ہوا کے کاندھے پر اڑا چلا جاتا تھا۔

اس مقام پر تختِ سلیمان اور آپ کے سفر کے متعلق جو تفصیلات سیرت کی کتابوں اور تفسیروں میں منقول ہیں ان میں بہت سے واقعات اسرائیلیات کا ذخیرہ ہیں جن کو بعض واعظین بیان کرتے ہیں مگر وہ قابل اعتبار نہیں اور ان پر بہت سے اعتراضات بھی وارد ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے تو اس واقعہ کے متعلق صرف اس قدر بیان کیا ہے کہ:۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ○ (الانبیاء رکوع ۶)	اور سلیمان کے لیے تیز ہوا مسخر کر دی کہ اس کے حکم سے چلتی اس زمین کی طرف، جس میں ہم نے برکت دی تھی۔ اور ہم کو ہر چیز معلوم ہے۔

اور سورۂ سبا میں یہ ارشاد فرمایا کہ:۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ	اور سلیمان کے قابو میں ہوا کر دی کہ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی راہ اور

(السباء رکوع ۲) شام کی منزل ایک ماہ کی راہ

اور سورہ صٓ میں فرمایا کہ :۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۙ (صٓ رکوع ۳)

تو ہم نے ان (سلیمان) کیلیے ہوا کو تابع فرمان کر دیا کہ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی جہاں وہ چاہتے۔

(۴۸) تانبے کے چشمے

حضرت سلیمان علیہ السلام چونکہ عظیم الشان عمارتوں اور پر شوکت قلعوں کی تعمیر کے بہت شائق تھے اس لیے ضرورت تھی کہ گارے اور چونے کے بجائے پگھلی ہوئی دھات گارے کی جگہ استعمال کی جائے لیکن اس قدر کثیر مقدار میں یہ کیسے میسر آئے یہ سوال تھا جس کا حل حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس مشکل کو اس طرح حل کر دیا کہ ان کو پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے عطا فرمائے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حسبِ ضرورت حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تانبے کو پگھلا دیتا تھا اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ایک خاص نشان اور ان کا معجزہ تھا آپ سے پہلے کوئی شخص دھات کو پگھلانا نہیں جانتا تھا (قصص الانبیاء عربی صہ ۲۹۳)

اور نجار کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ انعام فرمایا کہ زمین کے جن حصوں میں آتشی مادوں کی وجہ سے تانبہ پانی کی طرح پگھل کر بہ رہا تھا ان چشموں کو حضرت سلیمان علیہ السلام پر آشکارا فرمایا۔ آپ سے پہلے کوئی شخص بھی زمین کے اندر دھات کے چشموں سے آگاہ نہ تھا چنانچہ ابن کثیر بروایت قتادہ ناقل ہیں کہ پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے یمن میں تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت

سلیمان علیہ السلام پر ظاہر فرمادیا (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۸)

قرآن مجید نے اس قسم کی کوئی تفصیل نہیں بیان فرمائی ہے کہ تانبے کے چشمے کس شکل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملے مگر قرآن کی جس آیت میں اس معجزہ کا ذکر ہے مذکورہ بالا دونوں توجیہات اس آیت کا مصداق بن سکتی ہیں اور وہ آیت یہ ہے :۔

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۔ اور ہم نے ان (سلیمان) کیلیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا۔ (السباء رکوع ۲)

درس ہدایت

ہوا پر حکومت اور پگھلے ہوئے تانبے کے چشموں کا مل جانا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ بعض ملحدین جن کو معجزات کے انکار کی بیماری ہو گئی ہے وہ ان معجزات کے بارے میں عجیب عجیب مضحکہ خیز باتیں بکتے اور رکیک تاویلات کرتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان ملحدوں کی باتوں پر کوئی توجہ نہ کریں اور معجزات پر یقین رکھتے ہوئے ایمان لائیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴۹) حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے

ایک مرتبہ جہاد کی ایک مہم کے موقع پر شام کے وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑوں کو اصطبل سے لانے کا حکم دیا۔ جب وہ پیش کئے گئے تو چونکہ آپ کو گھوڑوں کی نسلوں اور ان کے ذاتی اوصاف کے علم کا کمال حاصل تھا اس لیے جب آپ نے ان سب گھوڑوں کو اصیل، سبک رو، اور خوش رو پایا۔ اور یہ ملاحظہ فرمایا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے تو آپ پر مسرت وانبساط کی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ فرمانے لگے کہ ان گھوڑوں سے میری محبت ایسی مالی محبت میں شامل ہے،

جو پروردگار کے ذکر ہی کا ایک شعبہ ہے۔ حضرت سلیمان کے اس غور و فکر کے درمیان گھوڑے اصطبل کو روانہ ہو گئے۔ چنانچہ جب آپ نے نظر اٹھائی تو وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے تھے۔ تو آپ نے حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو واپس لاؤ۔ جب وہ گھوڑے واپس لائے گئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جوشِ محبت میں ان گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنا اور تھپتھپانا شروع کر دیا۔ کیونکہ یہ گھوڑے جہاد کا سامان تھے اس لیے آپ انکی عزت و توقیر کرتے ہوئے ایک ماہر فن کی طرح سے ان گھوڑوں کو مانوس کرنے لگے اور اظہارِ محبت فرمانے لگے۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کو حسب ذیل عبارت میں بیان فرمایا ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ؕ
نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ؕ
اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ
الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۙ
فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ
حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ
رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ
بِالْحِجَابِ ۫ رُدُّوْهَا
عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا
بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝
(ص رکوع ۳)

اور ہم نے داؤد کو سلیمان (فرزند) عطا کیا وہ اچھا بندہ ہے بیشک وہ خدا کی جانب بہت رجوع ہونے والا ہے جب اس کے سامنے شام کے وقت اصیل اور سبک رو گھوڑے پیش کیے گئے تو وہ کہنے لگا کہ بیشک میری محبتِ مال (جہاد کے گھوڑوں کی محبّت) پروردگار کے ذکر ہی میں سے ہے یہانتک کہ وہ گھوڑے نظر سے اوجھل ہو گئے حضرت سلیمان نے فرمایا ان گھوڑوں کو واپس لاؤ پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنیں چھونے اور تھپتھپانے لگا۔

درسِ ہدایت

ان آیات کا جو ترجمہ اور تفسیر ہم نے تحریر کیا ہے اس کو ابن جریر طبری اور امام رازی نے ترجیح دی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی یہی تفسیر فرمائی ہے جس کے ناقل علی بن ابی طلحہ ہیں ان آیات کی تفسیر میں بعض مفسرین نے گھوڑوں کی پنڈلیاں اور گھوڑونکی

گردنوں کو تلوار سے کاٹ ڈالنا تحریر کیا ہے اور اسی قسم کے بعض دوسرے کمزور اقوال بھی تحریر کیے ہیں جن کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے اور وہ محض حکایات اور داستانیں ہیں جو دلائل قویہ کے سامنے کسی طرح قابل قبول نہیں اور یہ جو تفسیر ہم نے تحریر کی ہے اور جو ترجمہ درج کیا ہے یہ قرآن مجید کی عبارت اور الفاظ کے بالکل مطابق ہے اور اس تفسیر و ترجمہ کی بنا پر نہ کوئی اشکال و اعتراض پڑتا ہے نہ کسی تاویل کی ضرورت پیش آتی ہے (خزائن العرفان صہ ۵۴۰ بحوالہ تفسیر کبیر)

(۵۰) پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح

حضرت داؤد علیہ السلام خداوند قدوس کی تسبیح و تقدیس میں بہت زیادہ مشغول و مصروف رہتے تھے اور آپ اس قدر خوش الحان تھے کہ جب آپ زبور شریف پڑھتے تھے تو آپ کے وجد آفریں نغموں سے نہ صرف انسان بلکہ وحوش و طیور بھی وجد میں آجاتے اور آپ کے گرد جمع ہو کر خدا کی حمد کے ترانے گاتے اور اپنی اپنی سریلی اور پرکیف آوازوں میں تسبیح و تقدیس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی ہمنوائی کرتے اور صرف چرند و پرند ہی نہیں بلکہ پہاڑ بھی خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا میں گونج اٹھتے تھے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ان معجزات کا ذکر جمیل اللہ تعالیٰ نے سورۂ انبیاء و سورۂ سبا و سورۂ صٓ میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ :۔

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ (الانبیاء رکوع ۶)	اور داؤد کے ساتھ ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ وہ تسبیح پڑھتے اور پرندے بھی۔ اور ہم اس کے کرنے والے ہیں۔

اور سورہ سبا میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ :۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ	اور بیشک ہم نے داؤد کو اپنا بڑا فضل دیا (ہم نے فرمادیا) کہ اے پہاڑو! اس کے

وَالطَّیرَ ؕ (سبا رکوع ۲) — ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو (تم بھی اللہ کی طرف رجوع کرو)

اور سورۂ صٓ میں ارشاد ربانی اس طرح ہوا کہ :۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ ۙ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ (صٓ رکوع ۲) — بیشک ہم نے (داؤد) کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا کہ وہ تسبیح کرتے شام کو اور سورج چمکنے کے وقت اور پرندے جمع کیے ہوئے سب اس کے فرماں بردار تھے۔

درس ہدایت

بے عقل پرندے اور بے جان پہاڑ جب خداوند قدوس کی تسبیح و تقدیس کا نغمہ گایا کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیتوں میں آپ پڑھ چکے تو اس سے ہم انسانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہم انسان جو عقل والے، ہوشمند اور صاحب زبان ہیں ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم خداوند قدوس کی تسبیح اور اس کی حمد و ثنا کے اذکار کو ورد زبان بنائیں اور اس کی تسبیح و تقدیس میں برابر مشغول و مصروف رہیں۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اس سلسلہ میں ایک بہت ہی لطیف و لذیذ اور نہایت ہی مؤثر حکایت بیان فرمائی ہے اس کو پڑھیے اور عبرت و نصیحت حاصل کیجیے وہ فرماتے ہیں ؎

دوش مرغے بصبح می نالید — عقل و صبرم ربود و طاقت و ہوش

ایک پرند صبح کو چہچہا رہا تھا تو اس کی آواز سے میری عقل و صبر، اور طاقت و ہوش سب غارت ہو گئے ؎

یکے از دوستان مخلص را — مگر آوازِ من رسید بگوش

میرے ایک مخلص دوست کے کان میں شاید میری آواز پہنچ گئی۔

گفت باور نداشتم کہ ترا — بانگ مرغے چنیں کند مدہوش

تو اس نے کہا کہ مجھے یقین نہیں آتا کہ ایک پرند کی آواز تم کو اس طرح

مدہوش کردے گی۔

گفتم ایں شرط آدمیت نیست
مرغ تسبیح خواں و من خاموش

تو میں نے کہا کہ یہ آدمیت کی شان نہیں ہے کہ پرند تو تسبیح پڑھے اور میں خاموش رہوں۔

(۵۱) فرشتوں کے بال و پر

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بازو اور پر بنا دیئے ہیں جن سے وہ فضائے آسمانی میں اڑ کر کائناتِ عالم میں فرامینِ ربانی کی تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ کسی فرشتے کے دو پر کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں۔

علامہ زمخشری کا بیان ہے کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ فرشتوں کی ایک قسم ایسی بھی ہے جن کو خلاقِ عالم جل جلالہ نے چھ چھ بازو اور پر عطا فرمائے ہیں دو بازوؤں سے تو وہ اپنے بدن کو چھپائے رکھتے ہیں اور دو بازوؤں سے وہ اڑتے ہیں اور دو بازو ان کے چہرے پر ہیں جن سے وہ خدا سے حیا کرتے ہوئے اپنے چہروں کو چھپائے رکھتے ہیں۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے "سدرۃ المنتہیٰ" کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے اور یہ بھی ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے یہ کہا کہ آپ اپنی اصلی صورت مجھے دکھا دیجیے تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ اس کی تاب نہ لا سکیں گے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اسکی خواہش بلکہ تمنا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ اپنی اصلی صورت میں وحی لے کر آپ حاضر ہوئے تو ان کو دیکھتے ہی آپ پر غشی طاری ہوگئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے

اپنے بدن سے ٹیک لگا کر آپ کو سنبھالے رکھا اور اپنا ایک ہاتھ حضور کے سینہ پر اور ایک ہاتھ دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا جب آپ کو افاقہ ہوا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر آپ حضرت اسرافیل کو دیکھ لیتے تو آپ کا کیا حال ہوتا؟ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار بازو عطا فرمائے ہیں اور ان کا ایک بازو مشرق میں ہے اور دوسرا بازو مغرب میں ہے اور وہ عرشِ الٰہی کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں (صاوی ج ۳ صـ۲۵۴)

فرشتوں کے بازوؤں اور پروں کا ذکر سورۂ فاطر کی اس آیت میں ہے کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ	سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جو آسمانوں
وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَةِ	اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے، فرشتوں
رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ	کو رسول بنانے والا ہے جن کے دو دو
مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ط	اور تین تین اور چار چار پر ہیں وہ
یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ط	زیادہ کرتا ہے اپنی آفرینش میں جو
اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ	چاہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز
قَدِیْرٌ ہ (فاطر رکوع ۱)	پر قادر ہے۔

درسِ ہدایت

فرشتوں کے وجود پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں سے اور اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کہ فرشتوں کے بازو اور پر بھی ہیں۔ کسی کے دو دو کسی کے تین تین کسی کے چار چار۔ اور کسی کے اس سے بھی زیادہ ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ فرشتوں کے اتنے زیادہ پر کیونکر اور کس طرح ہیں؟ تو قرآن نے اس کا شافی اور مسکت جواب دے دیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی حد نہیں ہے وہ ہر چیز پہ قادر ہے لہٰذا وہ سب کچھ کر سکتا ہے وہ فرشتوں کو بال و پر بھی عطا فرما سکتا ہے اور بلا شبہ عطا فرمایا بھی ہے لہٰذا اس سلسلے میں بحث و مباحثہ اور سوال و جواب یہ سب گمراہی کے دروازے ہیں ایمان کی خیریت اسی میں ہے کہ بغیر چون و چرا کے اس پر ایمان لائیں اور کیوں اور کیسے کے علم کو اللہ اعلم کہہ کر

خدا کے سپرد کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵۲) ابوجہل کی گردن کا طوق

ایک مرتبہ ابوجہل اور اس کے قبیلے کے دو آدمیوں نے حلف اٹھایا کہ اگر ہم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لیا تو ہم پتھر سے ان کا سر کچل دیں گے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے لیے حرم کعبہ میں تشریف لے گئے اور ابوجہل نے آپ کو دیکھا تو وہ ایک بہت بڑا پتھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر چلا اور آپ پر اس پتھر کو پھینکنے کے لیے اپنے سر کے اوپر دونوں ہاتھوں کو اٹھایا تو اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں آ گئے اور پتھر اس کے ہاتھوں میں چپک کر رہ گیا اور دونوں ہاتھ طوق بن کر ٹھوڑی کے پاس بندھ گئے اور وہ اس طرح ناکام ہو کر لوٹ آیا۔ اس کے دوسرے دن ولید بن مغیرہ نے جھلا کر کہا کہ تم پتھر مجھے دے دو۔ میں اس کو ان کے سر پر دے ماروں گا۔ چنانچہ اس بدنصیب نے جب کہ آپ نماز میں تھے، آپ پر پتھر چلانے کا ارادہ کیا تو ایک دم اندھا ہو گیا۔ حضورؐ کی قرأت کی آواز تو سنتا رہا مگر آپ کی صورت نہیں دیکھ سکتا تھا، مجبوراً پلٹ گیا تو اپنے ساتھیوں کو بھی نہیں دیکھ سکا۔ جب آواز دی تو ساتھیوں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو اس نے اپنی مجبوری کا حال بیان کیا پھر اس کے تیسرے ساتھی نے غصہ میں بھر کر پتھر کو اپنے ہاتھ میں لیا مگر یہ حضور کے قریب پہنچتے ہی الٹے پاؤں بدحواس ہو کر بھاگا اور ہانپتے کانپتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں جب ان کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک ایسا سانڈ ان کے قریب اپنی دم ہلا رہا ہے کہ میں نے آج تک ایسا خوفناک سانڈ دیکھا ہی نہیں تھا۔ لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں ان کے قریب جاتا تو وہ مجھے ہلاک کر دیتا (صاوی ج ۳ ص ۲۶۴)

اس واقعہ کا ذکر سورہ یٰسٓ میں ان لفظوں کے ساتھ مذکور ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ہ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ہ (یٰس ع ۱)

بیشک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیئے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں تو یہ لوگ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انھیں اوپر سے ڈھانپ دیا تو انھیں کچھ نہیں سوجھتا۔

درس ہدایت یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے بارہا کافروں نے آپ کو قتل کرنے کی سازش کی اور اپنی خفیہ چالبازیوں اور دسیسہ کاریوں میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا مگر رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کبھی بھی کوئی آنچ نہ آسکی اور خداوند قدوس کا وعدہ پورا ہوا کہ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی اے محبوب! اللہ تعالیٰ لوگوں کی چالوں سے آپ کو اپنی حفاظت میں رکھیگا واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵۳) حاملانِ عرش کی دُعاء

عرشِ الٰہی کے اٹھانے والے ملائکہ فرشتوں کے سب سے اعلیٰ طبقات میں ہیں۔ ان میں سے ہر فرشتے کے بازوؤں پر چار پر ہیں اور دو پر ان کے چہروں کے اوپر ہیں جن سے یہ اپنی آنکھوں کو چھپائے رکھتے ہیں اور خوف خداوندی کے باعث یہ فرشتے عرش کی طرف نہیں دیکھتے ورنہ دہشت سے ان کے دل پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ عرشِ الٰہی کے اٹھانے والے فرشتے ساتویں آسمان کے فرشتوں سے زیادہ خدا کا خوف رکھتے ہیں اور ساتویں آسمان والے فرشتے چھٹے آسمان والے فرشتوں سے خوفِ الٰہی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح چھٹے آسمان والے پانچویں آسمان

والوں سے، اور پانچویں آسمان والے چوتھے آسمان والوں سے اور چوتھے آسمان والے تیسرے آسمان والوں سے، اور تیسرے آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے اور دوسرے آسمان والے پہلے آسمان والوں سے خوف وخشیّت ربّانی میں اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ پھر عرشِ الٰہی کے گرد رہنے والے فرشتے جن کو "کرّوبین" کہتے ہیں یہ باقی فرشتوں کے سردار ہیں اور بہت ہی وجاہت والے ہیں۔

منقول ہے کہ عرش کے گرد ملائکہ کی ستّر ہزار صفیں ہیں۔ اس طرح کہ ایک صف، ایک صف کے پیچھے ہے۔ یہ سب عرش کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ پھر ان سبھوں کے بعد ستّر ہزار ملائکہ کی صف ہے کہ وہ اپنے ہاتھ اپنے کاندھوں پر رکھتے ہوئے خدا کی تسبیح وتکبیر پڑھتے رہتے ہیں پھر ان کے بعد اور ایک سو صفیں فرشتوں کی ہیں جو اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے تسبیح وتکبیر اور دعا میں مشغول ہیں (صاوی ج ۴ ص ۴)

اور سب فرشتوں کی دعا کیا ہے۔ اس کو قرآنِ مجید کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے۔ ارشادِ ربّانی ہے کہ:۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ	وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں
وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ	اور وہ فرشتے جو گرد عرش کے ہیں سب
رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ	اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی
وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج	پاکی بیان کرتے ہیں اور اس پر ایمان
رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً	رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے لیے اس طرح
وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ	دعا مغفرت کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب!
تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ	تیری رحمت وعلم میں ہر چیز کی سمائی ہے
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ	لہٰذا ان مسلمانوں کو بخش دے جنھوں نے
رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ	توبہ کی اور تیری راہ پر چلے اور انھیں
عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ	دوزخ سے بچالے اور اے ہمارے رب!

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآءِ هِمْ	ان مسلمانوں کو "جنت عدن" میں داخل
وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ط	فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے اور انکو
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ	بھی جو نیک ہوں ان کے باپ دادا
الْحَكِيْمُ ہ	اور بیویوں اور اولاد میں سے بیشک توہی
(المومن رکوع ۱)	عزت والا حکمت والا ہے۔

درسِ ہدایت

آپ نے عرشِ الٰہی کے اٹھانے والے اور عرش کا طواف کرنے والے فرشتوں کی دعا ملاحظہ کر لی کہ وہ سب مقدس فرشتے ہم مسلمانوں اور ہمارے والدین اور بیویوں اور ہماری اولاد کے لیئے جہنم سے نجات پانے اور جنت عدن میں داخل ہونے کی دُعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ اللہ اکبر! کتنا بڑا احسانِ عظیم ہے ہم مسلمانوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ آپ ہی کے طفیل میں ہم مسلمانوں کو یہ رتبہ بلند اور درجہ عالیہ حاصل ہوا ہے کہ بے شمار طبقۂ اعلیٰ کے فرشتے ہم گنہ گار مسلمانوں کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں وہ بھی کون سے فرشتے؟ عرش الٰہی کے اٹھانے والے فرشتے اور عرشِ الٰہی کا طواف کرنے والے فرشتے۔ سبحان اللہ! کہاں ہم اور کہاں ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ مگر حضور سید عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی نسبت کا طفیل ہے کہ اس نے ہم قطروں کو سمندر ناپید اکنار اور ہم ذروں کو آفتاب عالمتاب بنا دیا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! ایک بار بصد اخلاص نبی مکرم رحمت عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھیے (اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ہ

(۵۴) صاحبِ اولاد اور بانجھ

اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ کسی کو صرف بیٹی عطا فرماتا ہے اور کسی کو صرف بیٹا دیتا ہے اور کچھ لوگوں کو بیٹا اور بیٹی دونوں ہی عطا فرما دیا کرتا ہے، اور کچھ

ایسے لوگ بھی ہیں جن کو بانجھ بنا دیتا ہے نہ انہیں بیٹی دیتا ہے نہ بیٹا اور یہ دستورِ خداوندی صرف عام انسانوں ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ اس نے اپنے خاص و مخصوص بندوں یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کو بھی اس خصوص میں چاروں طرح کا بنایا ہے چنانچہ حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہما السلام کے صرف بیٹیاں ہی تھیں کوئی بیٹا نہیں تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صرف بیٹے ہی بیٹے تھے کوئی بیٹی ہوئی ہی نہیں اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے اور چار بیٹیاں عطا فرمائیں اور حضرت عیسیٰ و حضرت یحییٰ علیہما السلام کے کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی (روح البیان ج ۸ ص ۳۴۲)

قرآن مجید میں ربُّ العزت جل جلالہٗ نے اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ :۔

یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا	خدا جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے
وَّیَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ	اور جسے چاہے بیٹے دے یا دونوں
اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُکْرَانًا وَّ	ملا دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے
اِنَاثًا ج وَیَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ	چاہے بانجھ کر دے۔ بے شک
عَقِیْمًا ط اِنَّهٗ عَلِیْمٌ	وہ علم و قدرت والا ہے۔
قَدِیْرٌ o (الشوریٰ رکوع ۵)	

درسِ ہدایت

اللہ تعالیٰ بیٹی دے یا بیٹا دے یا دونوں عطا فرمائے یا بانجھ بنا دے بہر حال یہ سبھی خدا کی نعمتیں ہیں۔ مذکورہ بالا آیت کے آخری حصہ یعنی اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ o میں اسی طرف اشارہ ہے کہ کون اس کے لائق ہے کہ اس کو بیٹی ملے اور کون اس قابل ہے کہ اس کو بیٹا ملے اور کون اس کی اہلیت رکھتا ہے کہ اس کو بیٹا اور بیٹی دونوں ملے اور کون ایسا ہے کہ اس کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہی نہ ہو۔ ان باتوں کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کیونکہ وہ بہت علم والا اور بڑی قدرت والا ہے انسان اپنے ہزار

علم وآگہی کے باوجود اس معاملہ کو نہیں جانتا کہ انسان کے حق میں کیا بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ رکوع ۲۶)	ہو سکتا ہے کہ تم لوگ ایک چیز کو ناپسند سمجھو حالانکہ وہ تمھارے حق میں بہت اچھی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو تم لوگ پسند کرو حالانکہ وہ تمھارے حق میں بہت بُری ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے تم لوگ نہیں جانتے۔

اس لیے بندوں کو چاہیے کہ اگر اپنی خواہش کے مطابق کوئی چیز نہ مل سکے تو ہرگز ناراض نہ ہوں بلکہ یہ سوچ کر صبر کریں کہ ہم اس چیز کے لائق ہی نہیں تھے اس لیے ہمیں خدا نے نہیں دیا وہ علیم و قدیر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا اہل ہے اور کون اہل نہیں ہے ؎

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی ؟ اگر تو کسی قابل ہوتا

بیٹیاں

اس زمانے میں دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ بیٹیوں کی پیدائش سے چڑتے ہیں اور منہ بگاڑ لیتے ہیں بلکہ بعض بدنصیب تو اول فول بک کر کفران نعمت کے گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ واضح رہے کہ بیٹیوں کی پیدائش پر منہ بگاڑ کر ناراض ہو جانا یہ زمانہ جاہلیت کے کفّار کا منحوس طریقہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا	اور جب ان کافروں میں سے کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصّہ میں گھٹتا رہ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے

بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَیُمْسِکُہٗ عَلٰی ھُوْنٍ اَمْ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ۝ (النحل ع ۷)

اس بشارت کی برائی سے کہ اس کو ذلت کے ساتھ رکھے گا یا مٹی میں دبا دے گا۔ ارے بہت ہی برا یہ حکم لگاتے ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ مسلمانوں کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ بیٹیوں کی پیدائش پر بھی خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرے اور مندرجہ ذیل حدیثوں کی بشارت پر ایمان رکھ کر سعادتِ دارین کی کرامتوں سے سرفراز ہو۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل حدیثیں ارشاد فرمائی ہیں:۔

(۱) عورت کے لیے یہ بہت ہی مبارک ہے کہ اس کی پہلی اولاد لڑکی ہو۔

(۲) جس شخص کو کچھ بیٹیاں ملیں اور وہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے یہاں تک کہ کفو میں ان کی شادی کر دے تو وہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔

(۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم لوگ بیٹیوں کو برا مت سمجھو، اس لیے کہ میں بھی چند بیٹیوں کا باپ ہوں۔

(۴) جب کوئی لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لڑکی! تو زمین پر اُتر۔ میں تیرے باپ کی مدد کروں گا۔ (روح البیان ج ۸ ص ۲۴۲)

(۵۵) فاسق کی خبر پر اعتماد مت کرو

۵ھ کے غزوہ بنی مصطلق میں جب مسلمان فتحیاب ہو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمالیا۔ تو صحابہ کرام نے تمام اسیرانِ جنگ کو یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شادی کر لی، اس خاندان کا کوئی آدمی

لونڈی غلام نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں کے اس حسنِ سلوک اور اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہو کر تمام قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا اس کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "ولید بن عقبہ" کو اس قبیلہ والوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ قبیلے کے دولتمندوں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے فقراء پر تقسیم کر دے۔

قبیلہ بنی المصطلق کے لوگوں کو جب "ولید" کی اس آمد کا علم ہوا تو وہ عاملِ اسلام کے استقبال کے لیے خوشی خوشی ہتھیار لے کر بستی سے باہر میدان میں نکلے زمانہ جاہلیت میں اس قبیلہ اور ولید میں کچھ ناچاقی رہ چکی تھی۔ اس لیے پرانی عداوت کی بنا پر استقبال کے لیے اس اہتمام کو ولید نے دوسری نظر سے دیکھا اور سمجھا اور قبیلہ والوں سے اصل معاملہ دریافت کیے بغیر ہی مدینہ واپس چلا آیا۔ اور دربار نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قبیلہ بنی مصطلق کے لوگ تو مرتد ہو گئے اور انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اس خبر سے حضور رنجیدہ ہوئے اور مسلمان بیحد برافروختہ ہو گئے بلکہ مقابلہ کے لیے جہاد کی تیاریاں ہونے لگیں ادھر بنی المصطلق کو ولید کے اس عجیب طرزِ عمل سے بڑی حیرت ہوئی اور جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ ولید نے دربار نبوت میں غلط بیانی اور تہمت طرازی کر دی ہے تو ان لوگوں نے ایک معزز اور باوقار وفد دربار نبوت میں بھیجا جس نے بنی المصطلق کی طرف سے صفائی پیش کی۔ ایک جانب اپنے عامل ولید کا بیان اور دوسری جانب بنی المصطلق کے وفد کا یہ بیان دونوں باتیں سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے خاموشی اختیار فرمالی۔ اور وحی الٰہی کا انتظار فرمانے لگے، آخر وحی اتر پڑی اور سورہ "حجرات" کی آیات نے نازل ہو کر نہ صرف معاملہ کی حقیقت ہی واضح کر دی بلکہ اس خصوص میں ایک مستقل قانون اور معیارِ تحقیق بھی عطا کر دیا۔ وہ آیات یہ ہیں (خزائن العرفان ص ۶۱۳ وغیرہ)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ	اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے
جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا	پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو ایسا نہ ہو
اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ	کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ہوئے ایذا

فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ۭ اُولٰٓئِکَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ (حجرات رکوع ۱)

نہ دے بیٹھو پھر اپنے کیے پر پچھتانے لگو اور جان لو کہ اللہ کا رسول تم میں موجود ہے اگر وہ تمھاری بات اکثر معاملات میں مان لیا کریں تو ضرور تم مشقت میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ نے تمھیں ایمان کو پیارا کر دیا ہے اور اس کو تمھارے دلوں میں مزین کر دیا ہے اور کفر و حکم عدولی اور نافرمانی کو تمھارے لیے ناگوار کر دیا ہے، اور یہی لوگ اللہ کے فضل و احسان سے ہدایت یافتہ ہیں۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

درسِ ہدایت

(۱) خبروں کے بیان کرنے میں عام طور پر لوگوں کا یہی مزاج اور طریقہ بن چکا ہے کہ جو خبر بھی ان کے کانوں تک پہنچے اس کو بلا تکلف بیان کر دیا کرتے ہیں۔ اور حقیقتِ حال کی تفتیش اور جستجو بالکل نہیں کرتے، خواہ اس خبر سے کسی بے گناہ پر افتراء کیا جاتا ہو یا کسی کو نقصان پہنچتا ہو۔

اسلام نے اس طریقۂ کار کو بالکل غلط قرار دیا ہے بلکہ قرآن نے اسلامی آداب کا یہ قانون بتایا ہے کہ ہر خبر کو سن کر پہلے اس کی تحقیق کر لینی چاہیے جب وہ خبر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو پھر اس خبر کو لوگوں سے بیان کرنا چاہیے اسی بات کی طرف متوجہ کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ (ابوداؤد) یعنی آدمی کے گنہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جو بات بھی سنے لوگوں سے (بلا تحقیق)

بیان کرنے لگے (واللہ تعالیٰ اعلم)

(۲) اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایک شخص اگر عادل اور پابند شریعت ہو تو اس کی خبر معتبر ہے۔

(۳) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت ولید بن عقبہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ آیت عام ہے اور ہر فاسق کی خبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(۴) ولید بن عقبہ کو صحابی ہوتے ہوئے قرآن مجید نے فاسق کہا تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ اس واقعہ کے بعد جب ولید بن عقبہ نے صدقِ دل سے سچی توبہ کر لی تو ان کا فسق زائل ہو گیا لہذا کسی صحابی کو فاسق کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ ہر صحابی صادق، عدول اور پابند شرع ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵۶) ملائکہ مہمان بن کر آئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے۔ منقول ہے کہ جب تک آپ کے دسترخوان پر مہمان نہیں آجاتے تھے آپ کھانا نہیں تناول فرماتے تھے۔ ایک دن مہمانوں کا ایک ایسا قافلہ آپ کے گھر پر اُتر پڑا کہ اُن مہمانوں سے آپ خوفزدہ ہو گئے یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے جو دس یا بارہ فرشتوں کو ہمراہ لے کر تشریف لائے تھے اور سلام کر کے مکان کے اندر داخل ہو گئے۔ یہ سب فرشتے نہایت ہی خوبصورت انسانوں کی شکل میں تھے۔ اولاً تو یہ حضرات ایسے وقت تشریف لائے جو مہمانوں کے آنے کا وقت نہیں تھا۔ پھر یہ حضرات بغیر اجازت طلب کئے دندناتے ہوئے مکان کے اندر داخل ہو گئے پھر جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حسبِ عادت ان حضرات کی مہمان نوازی کیلئے ایک فربہ بھنا ہوا بچھڑا لائے تو ان حضرات نے کھانے سے انکار کر دیا۔ ان مہمانوں کی مذکورہ بالا

تین اداؤں کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کچھ خدشہ گذرا کہ شاید یہ لوگ دشمن ہیں کیونکہ اس زمانے کا یہی رواج تھا کہ دشمن جس گھر میں دشمنی کے لیے جاتا تھا اس گھر میں کچھ کھاتا پیتا نہیں تھا۔ چنانچہ آپ ان مہمانوں سے کچھ خوف محسوس فرمانے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! آپ ہم سے بالکل کوئی خوف نہ کریں ہم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ہم دو کاموں کے لیے آئے ہیں پہلا مقصد تو یہ ہے کہ ہم آپ کو یہ بشارت سنانے آئے ہیں کہ آپکو اللہ تعالیٰ ایک علم والا فرزند عطا فرمائے گا اور ہمارا دوسرا کام یہ ہے کہ ہم حضرت لُوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب لے کر آئے ہیں!

فرزند کی بشارت سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مقدس بیوی حضرت "سارہ" چونک پڑیں کیونکہ ان کی عمر ننانوے برس کی ہو چکی تھی اور وہ کبھی حاملہ بھی نہیں ہوئی تھیں۔ تعجب سے وہ چلاتی ہوئی آئیں اور ہاتھ سے ماتھا ٹھونک کر کہنے لگیں کہ کیا مجھ بڑھیا بانجھ کے بھی فرزند ہوگا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ہاں آپ کے رب کا یہی فرمان ہے اور وہ پروردگار بڑی حکمتوں والا بہت علم والا ہے چنانچہ حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے (خزائن العرفان صـ۶۲۰ و دیگر تفاسیر)

قرآن مجید نے اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ:۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ
ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝
اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ
فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ
سَلٰمٌ ؕ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝
فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ
بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۙ
فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ

اے محبوب! کیا آپ کے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی؟ جب وہ ان کے پاس آکر بولے کہ سلام تو آپ نے بھی کہا کہ سلام (اور دل میں کہا) کہ ناآشنا سا لوگ ہیں پھر اپنے گھر جا کر ایک فربہ بچھڑا لائے اور مہمانوں کے پاس رکھ کر فرمایا کہ کیا تم لوگ کھاتے نہیں؟ پھر اپنے جی میں ان

اَلَا تَاْكُلُوْنَ ؁ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ط قَالُوْا لَا تَخَفْ ط وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ○ قَالُوْا كَذٰلِكِ لا قَالَ رَبُّكِ ط اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ○ (الذاریات رکوع ۲)	مہمانوں سے ڈرنے لگے تو وہ بولے کہ آپ ڈریئے نہیں اور انکو ایک علم والے لڑکے کی خوشخبری دی اس پر ان کی بیوی چلاتی ہوئی آئی پھر اپنا ماتھا ٹھونک کر کہنے لگی کہ کیا ایک بڑھیا بانجھ فرزند جنے گی، مہمانوں نے کہا کہ ہاں آپ کے رب نے ایسا ہی فرمادیا ہے اور وہ بڑی حکمتوں والا۔ اور بہت علم والا ہے۔

درس ہدایت

اس واقعہ سے یہ ہدایت کی روشنی ملتی ہے کہ ملائکہ کبھی کبھی آدمی کی صورت میں لوگوں کے پاس آیا کرتے ہیں چنانچہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حج کے موقع پر حرم کعبہ، اور منیٰ وعرفات ومزدلفہ وغیرہ میں کچھ فرشتوں کی جماعت انسانوں کی شکل وصورت میں مختلف بھیس بناکر آتی ہے جو حاجیوں کے امتحان کے لیئے خدا کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

اس لیئے حجاج کرام کو لازم ہے کہ مکہ مکرمہ اور منیٰ وعرفات ومزدلفہ اور طوافِ کعبہ و زیارت مدینہ منورہ کے ہجوم میں ہوشیار رہیں کہ ہرگز ہرگز کسی انسان کی بھی بےادبی و دل آزاری نہ ہونے پائے اور تاجروں، یا حمالوں، یا فقیروں سے جھگڑا تکرار نہ ہونے پائے۔ تمھیں کیا خبر ہے کہ یہ آدمی ہے یا آدمی کی صورت میں کوئی فرشتہ ہے جو تمھیں دھکا دے کر یا ڈانٹ کر تمھارے حلم وصبر کا امتحان لے رہا ہے یہ وہ نکتہ ہے جس سے عام طور پر لوگ ناواقف ہیں اس لیے سفر حج میں قدم قدم پر لوگوں سے الجھتے اور جھگڑتے رہتے ہیں اور بعض اوقات دنیا وآخرت کا شدید نقصان وخسارہ اٹھاتے رہتے ہیں لہذا اس نقصان عظیم سے بچنے کی بہترین تدبیر یہی ہے کہ ہر شخص کے بارے میں یہی خطرہ محسوس کرتے رہیں کہ شاید یہ کوئی فرشتہ ہو جو تاجر یا سائل یا

مزدور کے بھیس میں ہے اور پھر اس سے سنبھل کر بات چیت کریں اور حتی الامکان اس کو راضی رکھنے کی کوشش کریں اور ہرگز ہرگز کسی تلخ کلامی یا سخت گوئی کی نوبت نہ آنے دیں کہ اس میں سلامتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵۷) چاند دو ٹکڑے ہو گیا

کفار مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھا دیا ایک ٹکڑا وہ جبل ابو قبیس" پر نظر آیا اور دوسرا ٹکڑا "جبلِ قعیقعان" پر دیکھا گیا۔ اس طرح چاند کو دو پارہ کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفارِ مکہ کو دکھا دیا اور فرمایا کہ تم لوگ گواہ ہو جاؤ۔

(جلالین بحوالہ بخاری و مسلم)

یہ دیکھ کر کفار مکہ نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جادو کر کے ہماری نظر بندی کر دی ہے اس پر انھیں کی جماعت کے لوگوں نے کہا کہ اگر یہ نظر بندی ہے تو مکہ سے باہر کے کسی آدمی کو چاند کے حصے نظر نہ آئے ہوں گے لہٰذا اب باہر سے جو قافلے آنے والے ہیں ان کی جستجو رکھو اور مسافروں سے دریافت کرو اگر دوسرے مقامات سے بھی چاند کا شق ہونا دیکھا گیا ہے تو بیشک یہ معجزہ ہے چنانچہ سفر سے آنے والوں سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے بیان کیا کہ ہم نے دیکھا کہ اس روز چاند کے دو حصے ہو گئے تھے۔ اس کے بعد مشرکین کو انکار کی گنجائش نہ رہی۔ لیکن وہ لوگ اپنے عناد سے اس کو جادو ہی جادو کہتے رہے۔ یہ معجزہ عظیمہ صحاح کی احادیثِ کثیرہ میں مذکور ہے اور یہ حدیث اس قدر درجۂ شہرت کو پہنچ گئی ہے کہ اس کا انکار کرنا عقل و انصاف سے دشمنی اور بے دینی ہے (خزائن العرفان ص ۶۲۸)

اللہ تعالیٰ نے اس معجزہ کا بیان قرآن کی سورۂ قمر میں ان الفاظ کے ساتھ

بالا اعلان فرمایا ہے کہ :۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ (القمر رکوع ۱)	قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور (کفار مکہ) اگر کوئی نشانی دیکھتے تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو لگاتار چلا آتا ہے اور انھوں نے جھٹلا دیا، اور اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے اور ہر کام قرار پا چکا ہے ۔

درسِ ہدایت معجزہ "شق القمر" حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بے مثال معجزہ ہے جو اس آیت کریمہ اور بہت سی مشہور حدیثوں سے ثابت ہے ہم نے اپنی کتاب "سیرۃ المصطفیٰ" میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اس کے مطالعہ سے اطمینان قلب اور جلاءِ ایمان حاصل کیجیے ۔

(۵۸) کسی قوم کا مذاق نہ اڑاؤ

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ اونچا سنتے تھے اس لیے جب وہ مجلس شریف میں حاضر ہوتے تو صحابہ انھیں آگے جگہ دے دیا کرتے تھے ایک دن جب وہ دربار رسالت میں آئے تو مجلس پُر ہو چکی تھی، لیکن وہ لوگوں کو ہٹاتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب پہنچ گئے۔ مگر پھر بھی ایک آدمی ان کے اور حضور کے درمیان رہ گیا۔ حضرت ثابت بن قیس اس کو بھی ہٹانے لگے لیکن وہ شخص اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہٹا تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غصہ میں بھر کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس

شخص نے کہا کہ فلاں آدمی ہوں۔ یہ سن کر حضرت ثابت بن قیس نے حقارت کے لہجے میں کہا کہ اچھا، تو فلانی عورت کا لڑکا ہے یہ سن کر اس شخص نے شرمندہ ہو کر سر جھکالیا اور اس کو بڑی تکلیف ہوئی اس موقع پہ مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

اور حضرت ضحاک سے منقول ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کے کچھ لوگ بہترین پوشاک پہن کر بصورت وفد بارگاہ نبوی میں آئے اور جب ان لوگوں نے "اصحاب صفہ" کے غریب مفلس مسلمانوں کو فرسودہ حال دیکھا تو ان کا مذاق اڑانے لگے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(خزائن العرفان ص۶۱۴ وصاوی ج ۴ ص۹۴)

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ام المومنین بی بی صفیہ کو ایک دن "یہودیہ" کہہ دیا تھا۔ جس سے ان کو بہت رنج و صدمہ ہوا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا تو حضرت بی بی عائشہ پر بہت زیادہ خفگی کا اظہار فرمایا۔ اور حضرت بی بی صفیہ کی دل جوئی کے لیے فرمایا کہ تم ایک نبی (حضرت موسیٰ) کی اولاد میں ہو اور تمھارے چچاؤں میں بھی ایک نبی (حضرت ہارون) ہیں۔ اور تم ایک نبی کی بیوی بھی ہو۔ یعنی میری بیوی ہو۔ اس موقع پر ان آیات کا نزول ہوا۔

(صاوی ج ۴ ص۹۵)

بہرحال ان مذکورہ بالا تینوں شانِ نزول میں سے کسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ عزّوجل نے کسی قوم کا مذاق اڑانے کی سخت ممانعت فرمائی۔

آیت کریمہ یہ ہے کہ:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا	اے ایمان والو! نہ مرد مردوں کا مذاق
یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى	بنا کر ہنسیں عجب نہیں کہ وہ ان

اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ج وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ج وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ہ (الحجرات رکوع ۲)

ہنسی اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق بنا کر ہنسیں کیونکہ کچھ بعید نہیں کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کے برے نام نہ رکھو کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا اور جو اس سے توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔

⁂

درسِ ہدایت

قرآن کریم کی ان چمکتی ہوئی آیتوں کو بغور پڑھیے اور عبرت حاصل کیجیے کہ اس زمانے میں جو ایک فاسقانہ اور سراسر مجرمانہ رواج نکل پڑا ہے کہ "سیّد"، "شیخ" اور "پٹھان" کہلانے والوں کا یہ دستور بن گیا ہے کہ وہ دھنیا، جولاہا، کنجڑا، قصائی، نائی کہہ کر مخلص و متقی مسلمانوں کا مذاق بنایا کرتے ہیں بلکہ ان قوموں کے عالموں کو محض ان کی قومیت کی بنا پر ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں۔ بلکہ اپنی مجلسوں میں ان کا مذاق بنا کر ہنستے ہنساتے ہیں۔ جُہّال تو جُہال بڑے بڑے عالموں اور پیرانِ طریقت کا بھی یہی طریقہ ہے کہ وہ بھی یہی حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ حد ہو گئی کہ جو لوگ برسوں ان قوموں کے عالموں کے سامنے زانوئے تلمذتہ کر کے خود عالم اور شیخ طریقت بنے ہیں مگر پھر بھی محض قومیت کی بنا پر اپنے استادوں کو حقیر و ذلیل سمجھ کر ان کا تمسخر کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے نسب و ذات پر فخر کر کے دوسروں کی ذلت و حقارت کا چرچا کرتے رہتے ہیں۔ ﷲ بتائیے کہ قرآن مجید کی روشنی میں ایسے لوگ کتنے بڑے مجرم ہیں؟

ملاحظہ فرمائیے کہ قرآنِ مجید نے مندرجہ ذیل احکام اور وعیدیں

بیان فرمائی ہیں۔

(۱) کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے۔ ہو سکتا ہے کہ جن کا مذاق اڑا رہے ہیں وہ مذاق اڑانے والوں سے دنیا و آخرت میں بہتر ہوں۔

(۲) مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ ایک دوسرے پر طعنہ زنی کریں۔

(۳) مسلمانوں پر حرام ہے کہ ایک دوسرے کے لیے بُرے بُرے نام رکھیں

(۴) جو ایسا کرے وہ مسلمان ہو کر "فاسق" ہے۔

(۵) اور جو اپنی ان حرکتوں سے توبہ نہ کرے وہ "ظالم" ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اگر کوئی گنہگار مسلمان اپنے گناہ سے توبہ کر لے تو توبہ کے بعد اس کو اس گناہ سے عار دلانا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے۔ اسی طرح کسی مسلمان کو کُتّا، گدھا، سؤر کہہ دینا بھی ممنوع ہے یا کسی مسلمان کو ایسے نام یا لقب سے یاد کرنا جس میں اس کی برائی ظاہر ہوتی ہو یا اس کو ناگواری ہوتی ہو یہ ساری صورتیں بھی اسی ممانعت میں داخل ہیں۔

(خزائن العرفان ص ۶۱۴)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو حقیر سمجھ کر اس کا مذاق بناؤں تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھے کتا نہ بنا دے (صاوی ج ۴ ص ۹۴)

(۵۹) لوہا آسمان سے اُترا ہے

اللہ تعالیٰ نے "لوہے" کا ذکر فرماتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ	اور ہم نے لوہا اتارا۔ اور اس میں
بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ	سخت آنچ اور لوگوں کے لیے بہت

لِلنَّاسِ ط سے فائدے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت بریں سے روئے زمین پر تشریف لائے تو لوہے کے پانچ اوزار اپنے ساتھ لائے ہتھوڑا، نہائی، سنسی، ریتی، سوئی اور دوسری روایت انھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تین چیزیں زمین پر نازل ہوئیں۔ حجر اسود، عصاء موسوی لوہا (صاوی ج ۴ ص ۱۴۹)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار برکت والی چیزیں، اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمائی ہیں۔ لوہا، آگ، پانی، نمک۔ (صاوی ج ۴ ص ۱۴۹)

درس ہدایت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں یہ ہے کہ "لوہا" جنت سے زمین پر آیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں یہ ہے کہ "لوہا" آسمان سے نازل ہوا ہے ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ اس لیے کہ "جنت" آسمانوں کے اوپر ہی ہے تو لوہا جب جنت سے اُترا تو آسمان ہی سے زمین پر اُترا۔

"لوہا" ایک ایسی دھات ہے کہ ہر صنعت و حرفت کے آلات اس سے بنتے ہیں اور ہر قسم کے آلات جنگ بھی اسی سے تیار ہوتے ہیں اور انسانوں کی ضروریات کے ہزاروں سامان ایسے ہیں کہ بغیر لوہے کے تیار ہی نہیں ہو سکتے اس لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ کہ اس "لوہے" میں لوگوں کے لیے بے شمار فوائد و منافع ہیں۔ بہر حال لوہا خداوند تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے، لہٰذا لوہے کا ہر سامان دیکھ کر خداوند قدوس کی

اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے

(واللہ تعالیٰ اعلم)

(۶۰) صحابۂ کرام کی سخاوت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے بطور ہدیہ ایک صحابی کے گھر بکری کا ایک سر بھیج دیا تو انھوں نے یہ کہہ کر کہ ہم سے زیادہ تو میرا فلاں بھائی اس سر کا ضرورت مند ہے۔ وہ سر اس کے گھر بھیج دیا تو اس نے کہا کہ میرا فلاں بھائی مجھ سے بھی زیادہ محتاج ہے۔ یہ کہا اور وہ سر اس صحابی کے گھر بھیج دیا۔ اسی طرح ایک نے دوسرے کے گھر اور دوسرے نے تیسرے کے گھر اس سر کو بھیج دیا یہاں تک کہ جب یہ سر چھٹے صحابی کے پاس پہنچا تو انھوں نے سب سے پہلے والے کے گھر یہ کہہ کر بھیج دیا کہ وہ ہم سے زیادہ مفلس اور حاجت مند ہیں اس طرح وہ سر جس گھر سے سب سے پہلے بھیجا گیا تھا پھر اسی گھر میں آگیا۔ اس موقع پر سورہ حشر کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی جس میں اللہ جل جلالہ نے صحابہ کرام کی سخاوت کا خطبہ ارشاد فرمایا ہے:۔

اور وہ آیت مبارکہ یہ ہے کہ:۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اور صحابہ اپنی جانوں پر ترجیح دیتے
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ	ہیں اگرچہ انھیں شدید محتاجی
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ	ہو اور جو اپنے نفس کے
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔	لالچ سے بچا لیا گیا۔ تو وہی
(الحشر۔ رکوع ۱)	کامیاب ہیں۔

یہ تو زمانہ رسالت کا ایک حیرت انگیز واقعہ تھا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں تقریباً اسی قسم کا ایک

واقعہ پیش آیا جو عبرت خیز اور نصیحت آموز ہونے میں پہلے واقعہ سے کم نہیں ۔ چنانچہ منقول ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار سو دینار ایک تھیلی میں بند کر کے اپنے غلام کو حکم دیا کہ یہ تھیلی حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی خدمت میں پیش کر دو اور پھر تم گھر میں اس وقت تک ٹھہرے رہو کہ تم دیکھ لو کہ وہ اس تھیلی کا کیا کرتے ہیں ؟ چنانچہ غلام تھیلی لے کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ حضرت امیر المومنین نے یہ دیناروں کی تھیلی آپ کے پاس بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ آپ اس کو اپنی حاجتوں میں خرچ کریں ۔ امیر المومنین کا پیغام سن کر آپ نے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کا بھلا کرے ۔ پھر اپنی لونڈی سے فرمایا کہ اے خادمہ ! یہ سات دینار فلاں کو دے آؤ اور یہ پانچ دینار فلاں کو ۔ اسی طرح انھوں نے ایک ہی نشست میں تمام دیناروں کو حاجت مندوں میں تقسیم کرا دیا ۔ صرف دو دینار ان کے سامنے رہ گئے تھے تو انھوں نے فرمایا کہ اے لونڈی ! یہ دو دینار بھی فلاں ضرورتمند کو دے دو ۔

یہ ماجرا دیکھ کر غلام امیر المومنین کے پاس واپس آ گیا تو امیر المومنین نے چار سو دینار کی دوسری تھیلی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجی اور غلام سے فرمایا کہ تم اس وقت تک ان کے گھر میں بیٹھے رہنا اور دیکھتے رہنا کہ وہ اس تھیلی کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں ؟ چنانچہ غلام حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھیلی لے کر پہنچا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کا تحفہ اور پیغام پانے کے بعد یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور ان کو نیک بدلہ دے پھر فوراً ہی اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ فلاں فلاں صحابہ کے گھروں میں اتنی اتنی رقم پہنچا دو ۔ صرف دو دینار باقی رہ گئے تھے کہ حضرت معاذ بن

جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی آگئیں اور کہا کہ خدا کی قسم! ہم لوگ بھی تو مفلس اور مسکین ہی ہیں۔ یہ سن کر وہ دینار جو باقی رہ گئے تھے بیوی کی طرف پھینک دیئے۔ یہ منظر دیکھ کر غلام امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور سارا چشم دید ماجرا سنانے لگا۔ امیر المومنین حضرت ابو عبیدہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس سخاوت و اولوالعزمی کی داستان کو سن کر فرطِ تعجب سے انتہائی مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ کرام یقیناً آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے پر انتہائی رحم دل اور آپس میں بے حد ہمدرد ہیں۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور دوسرے صحابہ کرام سے بھی یہ روایت منقول ہے۔

(صاوی ج ۴ ص ۱۶۱)

ایک حدیث میں ہے کہ آیت مذکورہ بالا کا نزول اس واقعہ کے بعد ہوا کہ بارگاہِ نبوت میں ایک بھوکا شخص حاضر ہوا۔ حضور نے ازواجِ مطہرات کے حجروں میں معلوم کرایا کہ کیا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ معلوم ہوا کہ کسی بی بی صاحبہ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ تب حضور نے اصحابِ کرام سے فرمایا کہ جو اس شخص کو مہمان بنائے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرمائے۔ حضرت ابو طلحہ انصاری کھڑے ہو گئے اور حضور سے اجازت لے کر مہمان کو اپنے گھر لے گئے۔

گھر جا کر بیوی سے دریافت کیا کہ گھر میں کچھ کھانا ہے؟ انھوں نے کہا کہ صرف بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا ہے۔ حضرت ابو طلحہ نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو۔ اور جب مہمان کھانے بیٹھے تو چراغ درست کرنے کے لیے اٹھو اور چراغ کو بجھا دو۔ تاکہ مہمان اچھی طرح کھالے۔ یہ تجویز اس لیے کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے کہ اہلِ خانہ اس کے ساتھ نہیں کھا رہے

ہیں۔ کیونکہ اس کو یہ معلوم ہو جائے گا تو وہ اصرار کرے گا اور کھانا تھوڑا ہے۔ اس لیے مہمان بھوکا رہ جائے گا۔ اس طرح حضرت ابوطلحہ نے مہمان کو کھانا کھلا دیا۔ اور خود اہل خانہ بھوکے سو رہے۔ جب صبح ہوئی اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوطلحہ کو دیکھ کر فرمایا کہ رات فلاں فلاں کے گھر میں عجیب معاملہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بہت راضی ہے اور سورہ حشر کی یہ آیت نازل ہوئی۔

(خزائن العرفان ص۶۵)

درس ہدایت

یہ آیت مبارکہ اور اس کی شان نزول کے حیرت ناک واقعات ہم مسلمانوں کے لیے کس قدر عبرت خیز و نصیحت آموز ہیں۔ اس کو لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہر شخص خود ہی انصاف کی عینک لگا کر اس کو دیکھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے دل میں بصیرت کی روشنی، اور آنکھوں میں بصارت کا نور موجود ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

⁂ ⁂ ⁂

(۶۱) یہودیوں کی جلاوطنی

ہجرت کے بعد جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مدینہ اور اطراف مدینہ کے یہودیوں سے "صلح و عہد" کا معاہدہ فرما لیا۔ مگر یہودی اپنے عہد و پیمان پر تادیر قائم نہیں رہے بلکہ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف اندرونی اور بیرونی سازشوں کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ اسی دوران یہودیوں میں سے قبیلہ "بنو نضیر"

کے ذمہ دار افراد نے ایک روز یہ سازش کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے جاکر یہ عرض کریں کہ ہم کو آپ سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے اور جب وہ تشریف لے آئیں تو دیوار کے قریب ان کو بٹھایا جائے اور وہ جب گفتگو میں مصروف ہو جائیں تو چھت کے اوپر سے ایک بھاری پتھر انکے اوپر گراکر ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

چنانچہ آپ یہودیوں کی بستی میں تشریف لے گئے۔ مگر ابھی آپ دیوار کے قریب بیٹھے ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یہودیوں کی سازش سے آپ کو مطلع کر دیا۔ اس لیے آپ خاموشی کے ساتھ فوراً واپس تشریف لے گئے۔ اس طرح یہودیوں کی سازش ناکام ہو گئی آپ نے مدینہ پہنچ کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا کہ وہ بنونضیر کے یہودیوں تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ چونکہ تم لوگوں نے غداری کر کے معاہدہ توڑ ڈالا ہے۔ اس لیے تم لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ حجاز مقدس کی سرزمین سے جلاوطن ہو کر باہر نکل جاؤ۔ منافقین نے یہ سنا تو جمع ہو کر بنونضیر کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ تم لوگ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کے اس حکم کو ہرگز تسلیم نہ کرو اور یہاں سے ہرگز جلاوطن نہ ہو۔ ہم ہر طرح تمہارے شریک کار ہیں۔ بنونضیر نے منافقین کی پشت پناہی دیکھی تو حضورؐ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاد کی تیاری شروع کر دی، اور حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم کو مدینہ کا امیر بنا کر اور صحابہ کرام کی ایک فوج لے کر بنونضیر کے قلعہ پر حملہ آور ہو گئے۔ یہودی اس قلعہ میں بند ہو گئے۔ اور انھوں نے یقین کر لیا کہ اب مسلمان ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور پھر حکم دیا کہ ان کے درختوں کو کاٹ ڈالو، کیونکہ ممکن تھا کہ درختوں کے جھنڈ میں چھپ کر یہودی اسلامی لشکر پر چھاپہ مارتے۔ ان حالات کو دیکھ کر بنونضیر کے یہودیوں پر

ایسا رُعب بیٹھ گیا اور اس قدر خوف طاری ہوگیا کہ وہ لرز اُٹھے ، اور ان کو منافقین کی طرف سے بھی بجز مایوسی اور رسوائی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا آخر کار مجبور ہو کر یہودیوں نے درخواست کی کہ ہم لوگوں کو جلا وطن ہونے کا موقع دیا جائے ۔ چنانچہ ان لوگوں کو اجازت دی گئی کہ سامان جنگ کے علاوہ جس قدر سامان بھی وہ اونٹوں پر لاد کر لے جانا چاہتے ہیں لے جائیں چنانچہ بنو نضیر کے یہودی چھ سو اونٹوں پر اپنا مال و سامان لاد کر ایک جلوس کی شکل میں گاتے بجاتے مدینہ سے نکلے اور کچھ تو "خیبر" چلے گئے اور زیادہ تعداد میں ملک شام جا کر "اذرعات" اور "اریحاء" میں آباد ہو گئے اور چلتے وقت یہودیوں نے اپنے مکانوں کو گرا کر برباد کر دیا تاکہ مسلمان ان مکانوں سے فائدہ نہ اٹھا سکیں ۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۴۷ و زرقانی ج ۲ ص ۷۹ تا ص ۸۵)

اللہ تعالیٰ نے بنو نضیر کے یہودیوں کی اس جلاوطنی کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ حشر میں اس طرح فرمایا ہے کہ :-

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ	اللہ وہ ہے جس نے کافر کتابیوں
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ	(یہودیوں) کو ان کے گھروں
الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ	سے نکالا ، ان کے پہلے حشر
لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا	کے لیے (اے مسلمانو!) تمھیں یہ
ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا	گمان نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے
وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ	اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے
حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ	قلعے انھیں اللہ سے بچا لیں گے
فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ	تو اللہ کا حکم ان کے پاس آگیا
حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ	جہاں سے کہ ان کو گمان بھی نہ تھا
وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ	اور اس نے ان کے دلوں میں

الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ق فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ

(الحشر رکوع ۱)

خوف ڈال دیا۔ کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے ویران کرنے لگے تو عبرت پکڑو اے نگاہ والو!

درس ہدایت

یہودیوں کی قوم اپنی روایتی حسد و بغض اور تاریخی منافقت میں ہمیشہ سے مشہور ہے۔ خاص کر غداری اور بدعہدی تو ان کا قومی خاصہ ہے اس کے علاوہ ان بدبختوں کا ظلم بھی ضرب المثل ہے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے بہت سے انبیاء کرام کو قتل کر دیا۔ دراں حالیکہ ان بدبختوں کو یہ اعتراف تھا کہ ہم ان کو ناحق قتل کر رہے ہیں۔ خُداوند قدوس نے ان کی بدعہدیوں اور وعدہ شکنیوں کا قرآن مجید میں بار بار ذکر فرما کر مسلمانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ یہودیوں کے عہد و معاہدہ پر ہرگز ہرگز مسلمانوں کو بھروسا نہیں کرنا چاہیے اور ہمیشہ ان بدبختوں کی مکاریوں اور دسیسہ کاریوں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

اور بدعہدی اور عہد شکنی کے یہ خبیث خصائل اور بدترین شرارتوں کے گھناؤنے رذائل زمانہ دراز سے آج تک بدستور یہودیوں میں موجود ہیں جیسا کہ اس دور میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ آج کل اسرائیل کی غاصبانہ حکومت بنا کر فلسطینی عربوں کے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟ اور امریکہ کے یہودی کس طرح ان کی بدعہدیوں پر ان کی پیٹھ ٹھونک کر خود اترا رہے ہیں، اور اسرائیلی حکومت کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں۔ حالانکہ پوری دنیا اسرائیل اور امریکہ پر لعنت و ملامت کر رہی ہے مگر ان بے ایمان بے حیاؤں کی شرم و حیا

اس طرح غارت ہو چکی ہے کہ ان ظالموں کو اس کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔ فلسطینی عرب تو ظاہر ہے کہ امریکہ جیسی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے، مگر ہم ناامید نہیں ہیں اور قرآنی وعدوں سے پُر امید ہیں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بدستور سابق ان لوگوں کو کوئی نہ کوئی عذاب الٰہی تو ضرور ہلاک و برباد فرمادے گا۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

(۶۲) ایک عجیب وظیفہ

مفسرین نے فرمایا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک فرزند کو جن کا نام "سالم" تھا، مشرکوں نے گرفتار کر لیا تو عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنی مفلسی و فاقہ مستی کی شکایت کرتے ہوئے یہ عرض کیا کہ مشرکوں نے میرے بچے کو گرفتار کر لیا ہے، جس کے صدمہ سے اس کی ماں بے حد پریشان ہے تو اس سلسلے میں اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تم صبر کرو اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرو اور تم بھی بکثرت وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھا کرو اور بچے کی ماں کو بھی تاکید کر دو کہ وہ بھی کثرت سے اس وظیفہ کا ذکر کرتی رہیں۔ یہ سن کر عوف بن مالک اشجعی اپنے گھر چلے گئے اور اپنی بیوی کو یہ وظیفہ بتا دیا۔ پھر دونوں میاں بیوی اس وظیفہ کو بکثرت پڑھنے لگے۔

اسی درمیان میں وظیفہ کا یہ اثر ہوا کہ ایک دن مشرکین "سالم" کی طرف سے غافل ہو گئے چنانچہ موقع پا کر حضرت سالم مشرکوں کی قید سے

نکل بھاگے اور چلتے وقت مشرکوں کی چار ہزار بکریاں اور پچاس اونٹوں کو بھی ہانک کر ساتھ لائے اور اپنے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا ماں، باپ نے دروازہ کھولا تو حضرت سالم موجود تھے، ماں باپ بیٹے کی ناگہاں ملاقات سے بے حد خوش ہوئے۔ اور عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے بیٹے کی سلامتی کے ساتھ قید سے رہائی کی خبر سنائی اور یہ فتویٰ دریافت کیا کہ مشرکین کی یہ بکریاں اور اونٹ ہمارے لیے حلال ہیں یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی کہ وہ اونٹوں اور بکریوں کو جس طرح چاہیں استعمال کریں اور اس کے بعد مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی کہ :۔

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ	جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس
یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ	کے لیے نجات کی راہ نکال
وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ	دے گا۔ اور اسے وہاں سے
لَا یَحْتَسِبُؕ وَمَنْ	روزی دے گا جہاں سے اس
یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ	کا گمان بھی نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسا
حَسْبُهٗؕ اِنَّ اللّٰهَ	کرے تو اللہ اس کے لیے کافی
بَالِغُ اَمْرِهٖؕ قَدْ جَعَلَ	ہے بے شک اللہ اپنے ہر کام کو
اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا	پورا کرنے والا ہے بیشک اللہ نے
(الطلاق رکوع ۱)	ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس آیت کو لے لیں تو یہ آیت لوگوں کو کافی ہو جائے گی اور وہ آیت یہ ہے وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ سے آخر آیت تک (صاوی ج ۴ ص ۱۸۲)

حکایت عجیبہ

علامہ اجہوری نے اپنی کتاب "فضائل رمضان" میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگ سمندر میں کشتی پر سوار ہو کر سفر کر رہے تھے تو سمندر میں سے ایک آواز دینے والے کی آواز آئی مگر اس کی صورت نہیں دکھائی پڑی اس نے کہا کہ اگر کوئی شخص مجھے دس ہزار دینار دے دے تو میں اس کو ایک ایسا وظیفہ بتا دوں گا کہ اگر وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا ہو اور اس وظیفہ کو پڑھ لے تو تمام بلائیں اور ہلاکتیں ٹل جائیں گی۔ تو کشتی والوں میں سے ایک نے بلند آواز سے کہا کہ آؤ میں تجھ کو دس ہزار دینار دیتا ہوں تو مجھے وہ وظیفہ بتا دے تو آواز آئی کہ تو دیناروں کو سمندر میں ڈال دے۔ مجھے مل جائیں گے۔ چنانچہ کشتی والے نے دس ہزار دیناروں کو سمندر میں ڈال دیا تو اس غیبی آواز دینے والے نے کہا کہ وہ وظیفہ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ آخر آیت تک ہے تجھ پر جب کوئی مصیبت پڑے تو اس کو پڑھ لیا کرو۔ یہ سن کر کشتی کے سب سواروں نے اس کا مذاق اڑایا اور کہا کہ تو نے دس ہزار دیناروں کی کثیر دولت ضائع کر دی تو اس نے جواب دیا کہ ہرگز ہرگز میں نے اپنی دولت کو ضائع نہیں کیا ہے اور مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ قرآن شریف کی آیت ضرور نفع بخش ہو گی۔ اس کے بعد چند دن کشتی چلتی رہی پھر اچانک طوفان کی موجوں سے کشتی ٹوٹ کر بکھر گئی اور سوائے اس آدمی کے کشتی کا کوئی آدمی بھی زندہ نہیں بچا۔ یہ کشتی کے ایک تختے پر بیٹھا ہوا سمندر میں بہتا چلا جا رہا تھا یہاں تک کہ ایک جزیرہ میں اُتر پڑا۔ اور چند قدم چل کر یہ دیکھا کہ ایک شاندار محل بنا ہوا ہے اور ہر قسم کے موتی اور جواہرات وہاں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس محل میں ایک بہت ہی حسین عورت اکیلی بیٹھی ہوئی ہے اور ہر قسم کے میوے اور کھانے کے سامان وہاں رکھے ہوئے ہیں۔ اس عورت نے اس سے پوچھا

''کہ تم کون ہو اور کیسے یہاں پہنچ گئے؟''

تو اس نے عورت سے پوچھا کہ :۔

''تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہی ہو؟''

تو اس عورت نے اپنا قصہ سنایا کہ میں بصرہ کے ایک عظیم تاجر کی بیٹی ہوں میں اپنے باپ کے ساتھ سمندری سفر میں جا رہی تھی کہ ہماری کشتی ٹوٹ گئی اور مجھے کوئی اچانک کشتی میں سے اچک کر لے بھاگا۔ اور میں اس جزیرہ میں اس محل کے اندر اس وقت سے پڑی ہوں۔ ایک شیطان ہے جو مجھے اس محل میں لے آیا ہے وہ ہر ساتویں دن یہاں آتا ہے اور میرے ساتھ صحبت تو نہیں کرتا۔ مگر بوسہ و کنار کرتا ہے۔ اور آج اس کے یہاں آنے کا دن ہے۔ لہٰذا تم اپنی جان بچا کر یہاں سے بھاگ جاؤ۔ ورنہ وہ آ کر تم پر حملہ کر دے گا۔ ابھی اس عورت کی گفتگو ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک دم اندھیرا چھا گیا تو عورت نے کہا کہ جلدی بھاگ جاؤ وہ آ رہا ہے ورنہ وہ تم کو ضرور ہلاک کر دے گا چنانچہ وہ آگیا اور یہ شخص کھڑا رہا۔ مگر جوں ہی شیطان اس کو دبوچنے کے لیے آگے بڑھا تو اس نے وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ کا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا تو شیطان زمین پر گر پڑا۔ اور اس زور کی آواز آئی کہ گویا پہاڑ کا کوئی ٹکڑا ٹوٹ کر گر پڑا ہے اور پھر وہ شیطان جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ یہ دیکھ کر عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فرشتۂ رحمت بنا کر میرے پاس بھیج دیا ہے۔ تمھاری بدولت مجھے اس شیطان سے نجات ملی۔ پھر اس عورت نے اس مرد سے کہا کہ ان موتی جواہرات کو اٹھا لو اور اس محل سے نکل کر میرے ساتھ سمندر کے کنارے چلو اور کوئی کشتی تلاش کر کے یہاں سے نکل چلو۔ چنانچہ بہت سے موتی و جواہرات اور پھل وغیرہ کھانے کا سامان لے کر دونوں محل سے نکلے اور سمندر کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی ''بصرہ'' جا رہی تھی۔ دونوں اس پر سوار ہو کر بصرہ

پہنچے لڑکی کے والدین اپنی گم شدہ لڑکی کو پاکر بے حد خوش ہوئے اور اس مرد کے ممنون احسان ہو کر اس کو بہت عزت و احترام کے ساتھ اپنے گھر میں مہمان رکھا۔ پھر لڑکی کے والدین نے پوری سرگذشت سن کر دونوں کا نکاح کر دیا اور دونوں میاں بیوی بن کر رہنے لگے۔ اور تمام موتی و جواہرات جو دونوں جزیرہ سے لائے تھے، وہ دونوں کی مشترکہ دولت بن گئے اور اس عورت سے خداوند تعالیٰ نے اس مرد کو چند اولاد بھی دی۔ اور وہ دونوں بہت ہی محبت و الفت کے ساتھ خوش حال زندگی بسر کرنے لگے۔

(صاوی ج ۴ ص ۱۸۳)

درس ہدایت اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اعمال و وظائف قرآنی میں بڑی بڑی تاثیرات ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ عقیدہ درست ہو اور اعمال کو صحیح طریقے سے پڑھا جائے اور زبان گناہوں کی آلودگی اور لقمہ حرام سے محفوظ و پاک و صاف ہو اور عمل میں اخلاص نیت اور شرائط کی پوری پوری پابندی بھی ہو۔ تو ان شاء اللہ تعالیٰ قرآنی اعمال سے بڑی بڑی اور عجیب عجیب تاثیرات کا ظہور ہو گا۔ جس کی ایک مثال آپ نے پڑھ لی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶۳) پانچ مشہور اور پرانے بُت

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم بُت پرست ہو گئی تھی۔ اور ان لوگوں کے پانچ بُت بہت مشہور تھے۔ جن کی پوجا کرنے پر پوری قوم نہایت ہی اصرار کے ساتھ کمر بستہ تھی اور ان پانچوں بتوں کے نام یہ تھے

(۱) وَدّ (۲) سُواع (۳) یَغُوث (۴) یَعُوق

(۵) نَسر ۔

حضرت نوح علیہ السلام جو بُت پرستی کے خلاف وعظ فرمایا کرتے تھے تو ان کی قوم ان کے خلاف ہر کوچہ و بازار میں چرچا کرتی پھرتی تھی ۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کو طرح طرح کی ایذائیں دیا کرتی تھی

چنانچہ قرآن مجید کا بیان ہے کہ :۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ	اور (کفار) بولے ہرگز نہ چھوڑنا
اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ	اپنے معبودوں کو ۔ اور ہرگز
وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ	نہ چھوڑنا وَدّ اور سواع اور
وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ	یَغُوث اور یَعُوق اور نسر کو
وَنَسْرًا ۚ وَقَدْ اَضَلُّوا	اور بے شک انھوں نے بہتوں
كَثِيرًا ۚ	کو گمراہ کر دیا ۔

(نوح رکوع ۲)

یہ پانچوں بت کون تھے ؟ ان کے بارے میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے یہ پانچوں فرزند تھے جو نہایت ہی دین دار و عبادت گذار تھے ۔ اور لوگ ان پانچوں کے بہت ہی محب و معتقد تھے ۔ جب ان پانچوں کی وفات ہو گئی تو لوگوں کو بڑا رنج و صدمہ ہوا ۔ تو شیطان نے ان لوگوں کی تعزیت کرتے ہوئے یوں تسلی دی کہ تم لوگ ان پانچوں صالحین کا مجسمہ بنا کر رکھ لو ۔ اور ان کو دیکھ دیکھ کر اپنے دلوں کو تسکین دلاتے رہو ۔ چنانچہ پیتل اور سیسے کے مجسمے بنا بنا کر ان لوگوں نے اپنی اپنی مسجدوں میں رکھ لیا ۔ کچھ دنوں تک تو لوگ ان مجسموں کی زیارت کرتے رہے پھر لوگ ان بُتوں کی عبادت کرنے لگے اور خدا پرستی چھوڑ کر بُت پرستی کرنے لگے (صاوی ج ۴ ص ۲۱۳)

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک ان لوگوں کو وعظ سنا سنا کر اس بُت پرستی سے منع فرماتے رہے۔ بالآخر طوفان میں غرق ہو کر سب ہلاک ہو گئے۔ مگر شیطان اپنی اس چال سے باز نہیں آیا۔ اور ہر دور میں اپنے وسوسوں کے جادو سے لوگوں کو اسی طور پر بُت پرستی سکھاتا رہا کہ لوگ اپنے صالحین کی تصویروں اور مجسّمے بنا کر پہلے تو کچھ دنوں تک ان کی زیارت کرتے رہے اور ان کے دیدار سے اپنا دل بہلاتے رہے۔ پھر رفتہ رفتہ ان تصویروں اور مجسّموں کی عبادت کرنے لگے۔ اس طرح شرک و بُت پرستی کی لعنت میں دنیا گرفتار ہو گئی۔ اور خدا پرستی اور توحید خالص کا چراغ بجھنے لگا۔ جس کو روشن کرنے کے لیے انبیاء سابقین یکے بعد دیگرے برابر مبعوث ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ہمارے حضور خاتم النّبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ہمیشہ کے لیے بُت پرستی کی جڑ اس طرح کاٹ دی کہ آپ نے تصویروں اور مجسّموں کا بنانا ہی حرام فرما دیا۔ اور حکم صادر فرما دیا کہ تصاویر اور مجسمے ہرگز ہرگز کوئی شخص کسی آدمی تو آدمی کسی جاندار کا بھی نہ بنائے اور جو پہلے سے بن چکے ہیں ان کو جہاں بھی دیکھو فوراً مٹا کر اور توڑ پھوڑ کر تباہ و برباد کر دو تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری۔

درسِ ہدایت

آج کل میں نے دیکھا ہے کہ بہت سے پیروں کے مریدین نے اپنے پیروں کی تصویروں کو چوکھٹوں میں بند کر کے اپنے گھروں میں رکھ چھوڑا ہے اور خاص خاص موقعوں پر اس کی زیارت کرتے کراتے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض تو ان تصویروں پر پھول مالائیں چڑھا کر اگر بتی بھی سلگایا کرتے ہیں اور اس کے دھوئیں کو اپنے بدن پر ملا کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی ان خرافات سے باز نہ رہے اور علماءِ اہلسنّت نے اس کے خلاف عَلمِ مخالفت نہ بلند کیا تو اندیشہ ہے کہ شیطان کا پرانا حربہ اور اس کی شیطانی چال کا جادو مسلمانوں پر چل جائے گا۔

اور آنے والی نسلیں ان تصویروں کی عبادت کرنے لگیں گی۔

خوب کان کھول کر سن لو کہ :۔

حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بُت پرستی کے جس درخت کی جڑوں کو کاٹ دیا تھا۔ آج کل کے یہ جاہل بدعتی پیر اور ان کے توہم پرست مریدین بُت پرستی کی ان جڑوں کو سینچ سینچ کر پھر شرک وبُت پرستی کے درخت کو ہرا بھرا اور تناور بنا رہے ہیں۔ آجکل کے جاہل اور دنیا دار پیروں سے تو کیا امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اس کے خلاف زبان کھولیں گے۔ مگر ہاں حق پرست اور حق گو علماء اہلسنت سے بہت کچھ امیدیں وابستہ ہیں۔ کہ وہ ان خلاف شرع اعمال وافعال کے خلاف ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور علمِ جہاد بلند کریں گے۔ کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ ہر اس موقع پر جب کہ اسلام کی کشتی گمراہیوں کے بھنور میں ڈگمگانے لگی ہے۔ تو علماءِ اہل سنّت ہی نے اپنی جان پر کھیل کر کشتی اسلام کی ناخدائی کی ہے۔ اور آخر طوفانوں کا رخ موڑ کر اسلام کی کشتی کو غرقاب ہونے سے بچالیا ہے۔

مگر اس زمانے میں اس کا کیا علاج ؟ کہ ان بے شرع پیروں اور مکار باباؤں نے چند روپیوں کے بدلے کچھ مولویوں کو خرید لیا ہے اور یہ مولوی صاحبان ان بے شرع پیروں اور مکار باباؤں کو "مجذوب" یا فرقۂ "ملامتیہ" کا خوبصورت لبادہ اڑھا کر خوب خوب ان کے کشف وکرامت کا ڈنکا بجا رہے ہیں۔ اور ان باباؤں کے نذرانے سے اپنی مٹھی گرم کر رہے ہیں اور اگر کوئی حق گو عالم ان لوگوں کے خلاف کوئی کلمہ کہہ دے تو بابا لوگ اپنے داداؤں کو بلا کر اس عالم کی مرمت کرا دیں۔ اور ان کے زر خرید مولوی اپنی مخالفانہ تقریروں کی بوچھار سے بے چارے حق گو عالم کی زندگی دوبھر کر دیں۔ میں نے بارہا علماءِ اہلسنت کو پکارا اور للکارا کہ للہ اٹھو

اور حق کے لیے کمربستہ ہو کر کم از کم اتنا تو کر دو کہ متفقہ فتویٰ کے ذریعے یہ اعلان کر دو کہ یہ داڑھی منڈے، اوّل فول بکنے والے گنجیڑی، تارک صوم وصلوٰۃ، بے شرع بابا لوگ فاسق معلن ہیں۔ جو خود گمراہ اور مسلمانوں کے لیے گمراہ کن ہیں۔ اور ان لوگوں کو ولایت وکرامت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ مگر افسوس کہ ایک مولوی بھی مجھ عاجز کی آواز پر لبیک کہنے والا نہیں ملا۔ بلکہ پتا یہ چلا کہ ہر بابا کی جھولی میں کوئی نہ کوئی مولوی چھپا ہوا ہے۔ جس کے خلاف کچھ کہنا خطرے سے خالی نہیں۔ کیوں کہ جو بھی ان باباؤں کے خلاف زبان کھولے گا ان نذرانہ خور مولویوں کی کاؤں کاؤں اور چاؤں چاؤں میں اس کی مٹی پلید ہو جائے گی۔ فیا اسفاہ ویا حسرتاہ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہ

(۶۴) ابوجہل اور خُدا کے سپاہی

ابوجہل نے حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کعبہ میں نماز پڑھنے سے منع کیا تھا اور وہ علانیہ کہا کرتا تھا کہ اگر میں نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے پاؤں سے ان کی گردن کچل دوں گا اور ان کا چہرہ خاک میں ملا دوں گا۔ چنانچہ وہ اپنے اس فاسد ارادہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھتے دیکھ کر آپ کے قریب آیا۔ مگر اچانک الٹے پاؤں بھاگا۔ ہاتھ آگے بڑھائے ہوئے جیسے کوئی کسی مصیبت کو روکنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتا ہے۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اور بدن کی بوٹی بوٹی کانپنے لگی۔ اس کے ساتھیوں نے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ تو کہنے لگا کہ میرے اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے درمیان

ایک خندق ہے جس میں آگ بھری ہوئی ہے۔ اور کچھ دہشت ناک پرند بازو پھیلائے ہوئے ہیں۔ اس سے میں اس قدر خوف زدہ ہوگیا کہ آگے نہیں بڑھ سکا۔ اور ہانپتے کانپتے کسی طرح جان بچا کر بھاگا۔

نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابوجہل میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو جدا کر دیتے۔

اس کے بعد بھی ابوجہل اپنی خباثت سے باز نہیں آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے منع کرنے لگا۔ اس پر حضور نے اسے سختی سے جھڑک دیا تو ابوجہل نے غصہ میں بھر کر کہا کہ آپ مجھے جھڑکتے ہیں؟ حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ مکہ میں مجھ سے زیادہ جتھے والا اور مجھ سے بڑی مجلس والا کوئی نہیں ہے۔ خدا کی قسم! میں آپ کے مقابلہ میں سواروں اور پیدلوں سے اس میدان کو بھر دوں گا۔ اس کی اس دھمکی کے جواب میں سورہ "علق" یعنی سورہ اقراء کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا

(خزائن العرفان ص ۱، ودیگر تفاسیر)

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۵	ہاں! ہاں اگر (ابوجہل) باز نہ آیا
لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۵	تو ہم ضرور اس کی پیشانی کے
نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۵	بال پکڑ کر (جہنم میں) کھینچیں گے
فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۵	۔ جھوٹی خطا کار پیشانی کو
سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۵	اب پکارے وہ اپنی مجلس کو ابھی ہم
(علق)	(اپنے) سپاہیوں کو بلاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر ابوجہل اپنی مجلس والوں کو بلاتا۔ تو فرشتے اس کو بالاعلان گرفتار کر لیتے۔ اور وہ "زبانیہ" کی گرفت سے

بچ نہیں سکتا تھا۔

(خزائن العرفان ص۱۰)

درسِ ہدایت ابوجہل جب تک زندہ رہا۔ ہمیشہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دشمنی وایذارسانی پر کمربستہ رہا۔ اور دوسروں کو بھی اس پر اکساتا رہا۔ آخر قہرِ خداوندی میں گرفتار ہوا کہ جنگِ بدر کے دن دو لڑکوں کے ہاتھ سے ذلّت کے ساتھ قتل ہوا۔ اور اس کی لاش بے گوروکفن بدر کے گڑھے میں پھینک دی گئی۔ اسی طرح تمام دشمنانِ رسول طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہو کر ہلاک و برباد ہو گئے۔ سبحان اللہ ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے دشمن تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں۔ اسے منظور بڑھانا تیرا

٭ ٭ ٭

(۶۵) شبِ قدر

شبِ قدر بڑی برکت و رحمت والی رات ہے۔ اس رات کے مراتب و درجات کا کیا کہنا۔ کہ خداوند قدوس نے اس مقدس رات کے بارے میں قرآن مجید کی ایک سورہ نازل فرمائی ہے جس میں ارشاد فرمایا کہ :۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ؕ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۙ۬ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ؕ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۙ۬ سَلٰمٌ ۛ۫ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۠

بے شک ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں نازل فرمایا اور تم کیا جانو کہ کیا چیز ہے، شبِ قدر؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں فرشتے اور جبرئیل اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے، یہ سلامتی ہے۔ یہ صبح صادق کے طلوع تک رہتی ہے۔

(سُورہ القدر)

٭ ٭ ٭

یعنی شب قدر وہ قدر و منزلت والی رات ہے کہ اس رات میں پورا قرآن مجید لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کیا گیا اور اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر اور افضل ہے۔ اس رات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کے ایک لشکر کے ساتھ آسمان سے زمین پر اترتے ہیں۔ یہ رات زمین و آسمان اور سارے جہان کے لیے سلامتی کا نشان ہے۔ غروبِ آفتاب سے طلوع فجر تک اس کے انوار و برکات کی تجلیاں برابر جلوہ افروز رہتی ہیں۔

(قرآن مجید)

روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کے ایک عابد کا قصہ بیان فرمایا کہ اس نے ایک ہزار مہینے تک لگا تار عبادت اور جہاد کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے اُمتیوں کی عمریں تو بہت کم ہیں۔ پھر بھلا ہم لوگ اتنی عبادت کیوں کر

کرسکیں گے؟ صحابہ کے اس افسوس پر آپ کچھ فکر مند ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمائی کہ اے محبوب! ہم نے آپ کی امت کو ایک رات ایسی عطا کی ہے کہ وہ ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

(صاوی ج ۴ ص ۲۰۷)

مومنوں کو ملائکہ کی سلامی

روایت ہے کہ شب قدر میں سدرۃ المنتہیٰ کے فرشتوں کی فوج حضرت جبرئیل علیہ السلام کی سرداری میں زمین پر اترتی ہے، اور ان کے ساتھ چار جھنڈے ہوتے ہیں۔ ایک جھنڈا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر انور پر۔ اور ایک جھنڈا بیت المقدس کی چھت پر۔ اور ایک جھنڈا کعبہ معظمہ کی چھت پر۔ اور ایک جھنڈا طور سیناء پر لہراتے ہیں اور پھر فرشتے مسلمانوں کے گھروں میں تشریف لے جاکر ہر اس مومن مرد و عورت کو سلام کرتے ہیں جو عبادت میں مشغول ہوں۔ مگر جن گھروں میں بُت یا تصویر، یا کُتا ہو یا جن مکانوں میں شرابی یا خنزیر کھانے والا، یا غسل جنابت نہ کرنے والا، یا بلاوجہِ شرعی اپنی رشتہ داری کو کاٹ دینے والا رہتا ہو، ان گھروں میں یہ فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

(صاوی ج ۴ ص ۲۸۸)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان فرشتوں کی تعداد روئے زمین کی کنکریوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ سب سلام و رحمت لیکر نازل ہوتے ہیں۔

(صاوی ج ۴ ص ۲۸۸)

شب قدر کون سی رات ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں یعنی اکیسویں اور تیئیسویں

اور پچیسویں، اور ستائیسویں اور انتیسویں راتوں میں تلاش کرو۔
(بخاری و مسلم)

اس لیے بعض علماء کرام نے فرمایا کہ شب قدر کی کوئی رات معین نہیں ہے لہذا ان پانچوں راتوں میں شب قدر کو تلاش کرنا چاہیے۔

مگر حضرت ابی بن کعب و حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے علماء کرام کا قول یہ ہے کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔

(صاوی ج ۴ ص ۲۸۸)

اور بعض علماء کرام نے بطور اشارہ اس کی دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ " لیلۃ القدر " میں نو حروف ہیں۔ اور " لیلۃ القدر " کا لفظ اس سورہ میں تین جگہ آیا ہے۔ اور نو کو تین سے ضرب دینے سے ستائیس ہوتے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(صاوی ج ۴ ص ۲۸۸)

شب قدر کی نماز اور دعائیں

روایت ہے کہ جو شب قدر میں اخلاص نیت سے نوافل پڑھے گا۔ اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(روح البیان وغیرہ)

(۱) شب قدر میں چار رکعت نماز نفل اس ترکیب سے پڑھے کہ ہر رکعت میں " الحمد " کے بعد سورۃ اِنَّا اَنْزَلْنٰا تین مرتبہ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہ پچاس مرتبہ پڑھے پھر سلام کے بعد سجدہ میں جا کر ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ط پڑھے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر جو دعا مانگے

ان شاء اللہ تعالیٰ مقبول ہوگی۔

(فضائل الشہور والایام)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے شب قدر مل جائے تو میں کون سی دعا پڑھوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ تم یہ دعا پڑھو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی

(۳) ایک روایت میں ہے کہ جو شخص رات میں یہ دعا تین مرتبہ پڑھ لے گا تو اس نے گویا شب قدر کو پالیا۔ لہٰذا ہر رات اس دعا کو پڑھ لینا چاہیے دعا یہ ہے :۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ، سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ہ

(۴) یہ دعا بھی جس قدر زیادہ پڑھ سکیں پڑھیں، یہ بھی حدیث میں آیا ہے، دعا یہ ہے :۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَالْمُعَافَاۃَ الدَّآئِمَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

(۶۶) زمین بات چیت کرے گی

قیامت کے دن بندوں کی نیکی بدی کے حساب کے وقت جہاں بہت سے گواہ ہوں گے وہاں زمین بھی گواہ بن کر شہادت دے گی چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ہر مرد و عورت نے زمین پر جو کچھ اچھا یا برا عمل کیا ہے زمین اس کی گواہی دے گی کہے گی کہ فلاں روز یہ کام کیا اور فلاں روز یہ کام کیا (خزائن العرفان ص۱۲، بحوالہ ترمذی)

زمین پر جو کچھ اچھے یا بُرے کام لوگوں نے کیے ہیں۔ ان سب کو زمین نے یاد رکھا ہے اور قیامت کے دن وہ ساری خبروں کو علی الاعلان بیان کرے گی جس کو سب لوگ سنیں گے۔ اس مضمون کو خداوند عزوجل نے قرآن مجید میں ان لفظوں کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے :۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ؕ (الزلزال)	جب زمین تھرتھرا دی جائے گی جیسا اس کا تھرتھرانا ٹھہرا ہے اور جب زمین اپنے بوجھوں کو باہر پھینک دے گی اور آدمی (حیرت سے) کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی، کیونکہ تمہارے رب نے اس کو اس بات کا حکم دیا ہے۔

درسِ ہدایت

قیامت کے دن بندوں کے اچھے بُرے اعمال کے بہت سے گواہ ہوں گے۔ ہر انسان کے کندھوں پر جو فرشتے نامہ اعمال لکھ رہے ہیں وہ مستقل گواہ ہیں۔ پھر ان کے علاوہ انسان کے اعضاء گواہی دیں گے۔ یعنی انسان کے ہاتھ پاؤں، آنکھ کان وغیرہ جن جن اعضاء سے جو جو اعمال کئے گئے ہر ہر عضو گواہی دے گا۔ پھر زمین پر جو نیکی یا بدی انسان نے کی ہے ان اعمال کے بارے میں زمین ہر ہر عمل کی خبر دے گی۔ اور خداوند قدوس کے حضور گواہی دے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان چاہے جتنا بھی چھپ کر اور چھپا کر کوئی اچھا یا برا عمل کرے۔ مگر وہ عمل قیامت کے دن ہرگز ہرگز چھپ نہ سکے گا۔ بلکہ ہر آدمی کا ہر عمل اس کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ اور وہ اپنے تمام کرتوتوں کو

اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ اور ہر عمل کا بدلہ بھی پائے گا۔ چنانچہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ:۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا ۥ لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۞ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۞ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۞ (الزلزال)

اس (قیامت) کے دن لوگ اپنے رب کی طرف پھریں گے کئی راستوں سے ہو کر۔ تاکہ ان کے اعمال ان کو دکھاتے جائیں تو جو ایک ذرہ بھر نیکی کرے وہ اس کو دیکھے گا۔ اور جو ایک ذرہ بھر بدی کرے وہ اس کو دیکھے گا۔

بہرحال قیامت کا دن بڑا سخت دن ہوگا اور ہر آدمی کو اپنے ہر چھوٹے بڑے اور اچھے بُرے اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ زندگی کے ہر لمحہ میں یہ دھیان رکھے کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں مجھے ایک دن اپنے ان کاموں کا حساب دینا پڑے گا۔ اور جن اعمال کو میں چھپا کر کر رہا ہوں۔ وہ ایک دن قیامت کے بھرے مجمع میں احکم الحاکمین کے حضور ظاہر ہو کر رہیں گے اس وقت کیسی اور کتنی بڑی رسوائی اور شرمندگی ہوگی؟

(۶۷) مجاہدین کے گھوڑوں کی عظمت

خداوند قدوس کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہدین اور غازیوں کا مرتبہ کتنا بلند و بالا، اور کس قدر عظمت والا ہے اس کے بارے میں تو سیکڑوں آیتوں میں خداوند قدوس نے ان مردان حق کی مدح وثنا کا

خطبہ ارشاد فرمایا ہے مگر سورۂ "والعٰدیٰت" میں رب العزت جل جلالہ نے مجاہدین اور غازیوں کے گھوڑوں، بلکہ ان گھوڑوں کی رفتار اور ان کی اداؤں کی قسم یاد فرما کر ان کی عزت و عظمت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ:۔

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ	قسم ہے ان (گھوڑوں) کی جو
فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ	دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے۔ پھر
فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۙ	ان (گھوڑوں) کی جو پتھروں سے
فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ	آگ نکال دیتے ہیں کھرا ر کر پھر
فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ	وہ صبح کو حملہ کرتے ہیں۔ پھر
اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ	اس وقت وہ غبار اڑاتے ہیں
لَكَنُوْدٌ ۚ	پھر وہ دشمن کے بیچ لشکر
	میں چلے جاتے ہیں۔ بے شک آدمی
(والعٰدیٰت)	اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

ان گھوڑوں سے مراد مفسرین کا اجماع ہے۔ کہ مجاہدین اور غازیوں کے گھوڑے مراد ہیں جو خداوند قدوس کے دربار میں اس قدر محبوب و محترم ہیں۔ کہ قرآن مجید میں حضرت حق جل مجدہٗ نے ان گھوڑوں بلکہ ان کی اداؤں کی قسم یاد فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ مجھے ان گھوڑوں کی قسم ہے جو جہاد میں دوڑتے ہوئے ہانپتے ہیں اور مجھے قسم ہے ان گھوڑوں کی جو پتھروں پر اپنے نعل والے کھر مار کر رات کی تاریکی میں چنگاری نکال دیتے ہیں اور مجھے ان گھوڑوں کی قسم ہے جو صبح سویرے کفار پر حملہ کر دیتے ہیں اور مجھے قسم ہے ان گھوڑوں کی جو میدان جنگ میں دوڑ کر غبار اڑاتے ہیں۔ اور مجھے قسم ہے ان گھوڑوں کی جو کفار کے بیچ لشکر میں گھس جاتے ہیں۔ اتنی قسموں کے بعد رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

کہ "انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے"۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ خداوند قدوس جن چیزوں کی قسم یاد فرمائے، ان چیزوں کی عظمتِ شان کا کیا کہنا؟ قرآن مجید میں جن جن چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ مجھے ان کی قسم ہے، ان تمام چیزوں کا مرتبہ اتنا بلند و بالا اور اس قدر عظمت والا ہوگیا کہ وہ تمام چیزیں ہم مسلمانوں کے لیے بلکہ ساری کائنات کے لیے معزز و محترم ہوگئیں۔ تو پھر مجاہدین کے گھوڑوں کی عزت و عظمت اور ان کے تقدس و احترام کا کیا عالم ہوگا! اللہ اکبر اللہُ اکبر۔

درسِ ہدایت

اس سے ہدایت کا یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کی ہر ہر چیز سے محبت فرماتا ہے اور خدا کے محبوبوں کی ہر ہر چیز قابلِ عزت و لائق احترام ہے۔ مجاہدینِ اسلام اور غازیانِ کرام چونکہ خداوند قدوس کے محبوب اور پیارے بندے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان مجاہدین کے گھوڑوں سے بھی اس قدر پیار و محبت فرماتا ہے کہ ان گھوڑوں بلکہ ان گھوڑوں کی رفتار اور میدانِ جنگ میں ان گھوڑوں کے حملوں کی قسم یاد فرما کر ان گھوڑوں کی عزت و عظمت کا اعلان فرمارہا ہے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ۔

جب مجاہدین کرام کے گھوڑوں کے بلند درجات کا خطبہ قرآن عظیم نے پڑھا تو اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کے آلاتِ جنگ اور ان کے ہتھیاروں اور ان کی کمانوں، ان کی تلواروں کا بھی مرتبہ بہت بلند ہے اسی لیے بعض بعض خانقاہوں میں بعض غازیوں کی تلواروں کو لوگوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ تبرک بنا کر برسہا برس سے محفوظ رکھا ہے جو بلاشبہ باعثِ برکت و لائق عزت و احترام ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶۸) قریش کے دو سفر

مکہ مکرمہ میں نہ کاشت کاری ہوتی تھی نہ وہاں کوئی صنعت وحرفت تھی۔ پھر بھی قبیلہ قریش کے لوگ کافی خوشحال اور صاحب مال تھے اور خوب دل کھول کر حاجیوں کی ضیافت اور مہمان نوازی کرتے تھے۔ قریش کی خوشحالی اور فارغ البالی کا راز یہ تھا کہ یہ لوگ ہر سال دو مرتبہ تجارتی سفر کیا کرتے تھے جاڑے کے موسم میں یمن اور گرمی کے موسم میں شام کا سفر کیا کرتے تھے۔ اور ہر جگہ کے لوگ انھیں اہلِ حرم اور بیت اللہ شریف کا پڑوسی کہہ کر ان لوگوں کا اکرام واحترام کرتے تھے اور ان لوگوں کے ساتھ تجارتیں کرتے تھے۔ اور قریش ان تجارتوں میں خوب نفع اٹھاتے تھے۔ اور ان لوگوں کے حرم کعبہ کا باشندہ ہونے کی بنا پر راستہ میں ان کے قافلوں پر کسی قسم کی رہزنی اور ڈکیتی نہیں ہوا کرتی تھی۔ باوجودیکہ اطراف وجوانب میں ہر طرف قتل وغارت اور لوٹ مار کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ قریش کے سوا دوسرے قبیلوں کے لوگ جب سفر کرتے، تو راستوں میں ان کے قافلوں پر حملے ہوتے تھے اور مسافر لوٹے مارے جاتے تھے اس لیے قریش جس طرح امن وامان کے ساتھ یہ دونوں تجارتی سفر کر لیا کرتے تھے دوسرے لوگوں کو یہ امن وامان نصیب نہیں تھا (خزائن العرفان ص۱۴۷ وغیرہ)

اللہ تعالیٰ نے قریش کو جو بے شمار نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔ ان میں سے خاص طور پر ان دو تجارتی سفروں کی نعمت کو یاد دلا کر ان کو خداوند قدوس کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ اٖلٰفِهِمْ — اس لیے کہ قریش کو (اللہ نے) جاڑے

رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ ۚ — اور گرمی کے دونوں سفروں کی

فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ — الفت دلائی۔ اس لیے انھیں لازم ہے

هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِیٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۝ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ (سورۂ قریش)

کہ اس گھر (کعبہ) کے رب کی بندگی کریں جس نے ان لوگوں کو بھوک میں کھانا دیا اور انھیں ایک بڑے خوف سے امان بخشا۔

ان لوگوں کو بھوک میں کھانا دیا۔ یعنی ان دونوں تجارتی سفروں کی بدولت ان لوگوں کے معاش اور روزی کا سامان پیدا کر دیا۔ اور ان کے قافلوں کو لوٹ مار سے امن و امان عطا فرمایا۔ لہٰذا ان لوگوں کو لازم ہے کہ یہ لوگ رب کعبہ کی عبادت کریں جس نے ان لوگوں کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے نہ کہ یہ لوگ بتوں کی عبادت کریں، جنھوں نے ان لوگوں کو کچھ بھی نہیں دیا۔

درسِ ہدایت

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں اپنی دو نعمتوں کو یاد دلا کر بُت پرستی چھوڑنے اور اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس سورہ میں اگرچہ خاص طور پر قریش کا ذکر ہے مگر یہ حکم تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے کہ لوگ خدا کی نعمتوں کو یاد کریں اور نعمت دینے والے خدائے واحد کی عبادت کریں۔ اور بُت پرستی سے باز رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۶۹) کفر و اسلام میں مفاہمت غیر ممکن

کفار قریش میں سے ایک جماعت دربارِ رسالت میں آئی اور یہ کہا کہ آپ ہمارے دین کی پیروی کریں تو ہم بھی آپ کے دین کا اتباع کریں گے ایک سال آپ ہمارے معبودوں (بتوں) کی عبادت کریں ایک سال ہم آپکے معبود اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

کہ اللہ کی پناہ کہ میں غیر اللہ کو اس کا شریک ٹھہراؤں۔ یہ سن کر کفارِ قریش نے کہا کہ اگر آپ بتوں کی عبادت نہیں کر سکتے تو کم سے کم آپ ہمارے کسی بُت کو ہاتھ ہی لگا دیجیے تو ہم آپ کی تصدیق کر لیں گے اور آپ کے معبود کی عبادت کرنے لگیں گے اس موقع پر سورہ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ نازل ہوئی اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں تشریف لے گئے اور کفار قریش کو یہ سورہ پڑھ کر سنائی۔ تو کفار قریش مایوس ہو گئے اور پھر غصہ میں جل بھن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طرح طرح کی ایذائیں دینے پر تل گئے۔

(خزائن العرفان ص۱۰۷)

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَاۤ	(اے پیغمبر) تم فرما دو کہ اے کافرو! نہ
اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ وَ لَاۤ	میں پوجتا ہوں جو تم پوجتے ہو اور
اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۚ	نہ تم پوجتے ہو جو میں پوجتا ہوں اور
وَ لَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ	نہ میں پوجوں گا جو تم نے پوجا اور
وَ لَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ	نہ تم پوجو گے جو میں پوجتا ہوں
اَعْبُدُ ؕ لَكُمْ دِیْنُكُمْ	تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور
وَلِیَ دِیْنِ ۠ (سورہ الکفرون)	میرے لیے میرا دین ہے۔

درسِ ہدایت

اس سورۂ پاک کے مضمون اور حضور سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کفر و اسلام میں کبھی مفاہمت اور موافقت نہیں ہو سکتی جو مسلمان کفار کی خوشنودی اور ان کی خوشامد کے لیے ان کی مذہبی تقریبات میں حصہ لیتے ہیں اور بت پرستی کی مشرکانہ رسموں میں چندہ دے کر شرکت کرتے ہیں ان کو اس سورۃ سے ہدایت کا نورانی سبق حاصل کرنا چاہیے اور ایمان رکھنا چاہیے کہ توحید اور شرک کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے جو موحّد ہو گا وہ کبھی مشرک نہیں ہو سکتا اور جو مشرک ہو گا وہ کبھی موحّد نہیں ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۷۰) اللہ تعالیٰ کی چند صفتیں

کُفّارِ عرب نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے سوال کیے، کوئی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا نسب اور خاندان کیا ہے؟ اس نے ربوبیّت کس سے میراث میں پائی ہے؟ اور اس کا وارث کون ہوگا؟ کسی نے یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ سونے کا ہے یا چاندی کا؟ لوہے کا ہے یا لکڑی کا؟ کسی نے یہ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کیا کھاتا پیتا ہے؟

ان سوالوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم پر سورہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ نازل فرمائی اور اپنی ذات وصفات کا واضح بیان فرما کر اپنی معرفت کی راہ روشن کر دی اور کُفّار کے جاہلانہ خیالات واوہام کی تاریکیوں کو جن میں وہ لوگ گرفتار تھے۔ اپنی ذات وصفات کے نورانی بیان سے دُور فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ (خزائن العرفان ص۱۰۷۶)

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝	تم فرماؤ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ
اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ	بے نیاز ہے نہ کوئی اس کی
وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ	اولاد ہے نہ وہ کسی سے
يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝	پیدا ہوا۔ اور نہ اس کے جوڑ کا
(سورۃ الاخلاص)	کوئی ہے۔

درسِ ہدایت اللہ تعالیٰ نے سورہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ کی چند آیتوں میں "علم الٰہیات" کے وہ نفیس اور اعلیٰ مطالب بیان فرما دیئے ہیں کہ جن کی تفصیلات اگر بیان کی جائیں تو کتب خانے کے کتب خانے پُر ہو جائیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیّت اور الوہیت میں صفت عظمت وکمال کے ساتھ موصوف ہے مثل ونظیر وشبیہ سے

پاک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔
وہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، نہ کسی کا محتاج ہے بلکہ سب اس کے محتاج ہیں وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
وہ قدیم ہے اور پیدا ہونا حادث کی شان ہے اس لیے نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ کسی کا باپ ہے نہ اس کا کوئی مجانس ہے نہ اس کا عدیل و مثیل ہے۔
اس سورۂ مبارکہ کی فضیلتوں کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں اس کو تہائی قرآن کے برابر بتایا گیا ہے یعنی اگر تین مرتبہ اس سورہ کو پڑھا جائے تو پورے قرآن کی تلاوت کا ثواب ملے گا۔
ایک شخص نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اس سورہ سے محبت ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کی محبت تجھے جنت میں داخل کردے گی (خزائن العرفان ص ۱۶۷، بحوالہ ترمذی)

تمت

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین

ابتدائے تصنیف یکم جمادی الاخری ۱۴۰۳ھ — ختم تصنیف ۲۳ رمضان ۱۴۰۴ھ

(۱۷) علوم ومعارف کا نہ ختم ہونے والا خزانہ

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی وہ جلیل القدر اور عظیم الشان کتاب ہے، جس میں ایک طرف حلال وحرام کے احکام، عبرتوں اور نصیحتوں کے اقوال، انبیائے کرام اور گذشتہ امتوں کے واقعات واحوال، جنّت ودوزخ کے حالات مذکور ہیں اور دوسری طرف اس کے باطن کی گہرائیوں میں علوم ومعارف کے خزانوں کے بے شمار ایسے سمندر موجیں مار رہے ہیں جو قیامت تک کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کے اس عظیم الشان جامعیت کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:۔

لَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَآءُ وَلَا یَخْلَقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ وَلَا یَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۶)	قرآنی مضامین کا احاطہ کر کے کبھی علماء آسودہ نہیں ہوں گے اور بار بار پڑھنے سے قرآن پرانا نہیں ہوگا اور قرآن کے عجیب وغریب مضامین کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

چنانچہ حضرت سیدنا علی خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

اِنَّ اللہَ تَعَالٰی اَطْلَعَنِیْ عَلٰی مَعَانِیْ سُوْرَۃِ الْفَاتِحَۃِ فَظَھَرَ لِیْ مِنْھَا مِائَۃَ اَلْفِ عِلْمٍ وَّ اَرْبَعُوْنَ اَلْفِ عِلْمٍ وَتِسْعَمِائَۃٍ وَّتِسْعُوْنَ عِلْمًا ط (الدولۃ المکیۃ ص ۲۵)	بے شک اللہ تعالےٰ نے مجھے سورہ فاتحہ کے معانی پر آگاہ فرمایا تو ان میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار ۱۴۰۹۹۹ نو سو ننانوے علوم مجھ پر منکشف ہوئے۔

❊ ❊ ❊

اسی طرح امام شعرانی علیہ الرحمہ اپنی کتاب میزان میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

قَدِ اسْتَخْرَجَ اَخِیْ اَفْضَلُ الدِّیْنِ مِنْ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ مِائَتَیْ اَلْفِ عِلْمٍ وَّسَبْعَةً وَّاَرْبَعِیْنَ اَلْفِ عِلْمٍ وَّ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَّ تِسْعُوْنَ عِلْمًا

میرے بھائی افضل الدین نے سورہ فاتحہ سے دو لاکھ سینتالیس ہزار نو سو ننانوے علوم نکالے ہیں۔

(الدولۃ المکیہ صنہ ۲۸۰)

ان روایتوں سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید اگرچہ ظاہر میں تیس پاروں کا مجموعہ ہے لیکن اس کا باطن کروڑوں بلکہ اربوں علوم ومعارف کا ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا کسی عارف باللہ کا مشہور شعر ہے کہ ؎

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ
تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

یعنی تمام علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن لوگوں کی عقلیں ان کے سمجھنے سے قاصر وکوتاہ ہیں الحاصل قرآن مجید میں صرف علوم ومعارف ہی کا بیان نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں پوری کائنات اور سارے عالم کی ہر ہر چیز کا واضح اور روشن تفصیلی بیان ہے یعنی آسمان کے ایک ایک تارے، سمندر کے ایک ایک قطرے، سبزہ ہائے زمین کے ایک ایک تنکے، ریگستان کے ایک ایک ذرّے، درختوں کے ایک ایک پتے، عرش وکرسی کے ایک ایک گوشے، عالم کائنات کے ایک ایک کونے، ماضی کا ہر ہر واقعہ، حال کا ہر ہر معاملہ، مستقبل کا ہر ہر حادثہ قرآن مجید میں نہایت وضاحت کے ساتھ تفصیلی بیان کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :۔

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ — ہم نے اس کتاب میں کوئی بھی

مِنْ شَیْءٍ   چیز اٹھا نہ رکھی۔

لیکن واضح رہے کہ قرآن کی یہ اعجازی شان ہمارے تمھارے اور عام لوگوں کے لیے نہیں ہے بلکہ قرآن کی اس اعجازی شان کا کامل ظہور تو صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور صرف آپ ہی کا یہ معجزہ ہے کہ آپ نے قرآن مجید کے تمام مضامین ومعانی کو تفصیلی طور پر جان لیا اور پورا قرآن نازل ہو جانے کے بعد کائنات عالم کی کوئی شے ماضی وحال اور مستقبل کا کوئی واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوشیدہ نہیں رہا اور آپ نے ہر غیب وشہادت کو تفصیلی طور پر جان لیا کیونکہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ   ہم نے آپ پر قرآن اتارا جو ہر شے کا
تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ   روشن اور خوب واضح بیان ہے۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے میں بعض اولیاء کرام اور علماءِ عظام کو بھی بقدر ظرف ان کے باطنی علوم ومعارف سے حصہ ملا ہے جن میں سے کچھ کتابوں کے لاکھوں صفحات پر ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں اور کچھ سینوں کے صندوق اور دلوں کی تجوریوں میں اب تک مقفل ہی رہ گئے ہیں جو آئندہ اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ قیامت تک صفحاتِ قرطاس پر جلوہ ریز ہوتے رہیں گے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس غیبی خبر وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ کا وقتاً فوقتاً ظہور ہوتا رہے گا اور اُمت مسلمہ ان کے فیوض وبرکات سے مستفیض ومالامال ہوتی ہی رہے گی بہرحال یہ یقین وایمان رکھنا چاہیے کہ ہم نے "عجائب القرآن" اور "غرائب القرآن" میں جو قرآن کے چند عجیب وغریب مضامین کا ایک مختصر مجموعہ تحریر کیا ہے اور ہم سے پہلے بہت سے علماءِ کرام نے مضامینِ قرآن پر ہزاروں کتابیں اور لاکھوں صفحات تحریر فرمائے ہیں۔ قرآن مجید کے علوم ومعارف کے سامنے ان سب تحریروں کو وہ نسبت بھی حاصل نہیں جو ایک قطرہ کو دنیا بھر کے سمندروں سے اور ایک ذرہ کو تمام روئے زمین سے حاصل ہے، کیونکہ

قرآن مجید تو علوم و معارف کا وہ خزانہ ہے جو کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتا بلکہ قیامت تک علماء کرام اس بحرِ ناپیدا کنار سے ہمیشہ عجیب و غریب مضامین کے موتی نکالتے ہی رہیں گے اور ہزاروں لاکھوں کتابوں کے دفتر تیار ہوتے ہی رہیں گے۔

میں اگرچہ اس پر بہت خوش ہوں کہ قرآن کریم کے چند مضامین پر دو مختصر مجموعے لکھ کر میں ان علماء کرام کی جوتیوں کی صف میں جگہ پا گیا جنھوں نے اپنے نوکِ قلم سے قرآنی آیات کے ایسے ایسے درِ شہوار اور گوہر آبدار صفحاتِ قرطاس پر بکھیر دیئے جن کی چمک دمک سے مومنین کے ایمان و عرفان میں ایسی تابانی و تابندگی پیدا ہو گئی جو قیامت تک روشن رہے گی مگر میں انتہائی متاسف اور شرمندہ ہوں کہ اپنی علمی کوتاہی اور کم فہمی کی وجہ سے اور پھر اپنی علالت کے باعث کچھ زیادہ نہ لکھ سکا اور نہ کوئی ایسی نادر بات لکھ سکا جو اہلِ علم کے لیے باعثِ کشش و قابلِ مسرت ہو۔

بہر حال دعا گو ہوں کہ خداوند کریم بطفیل نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میری اس حقیر خدمت کو قبول فرما کر اس کو مقبولیت دارین کی کرامتوں سے سرفراز فرمائے (آمین)

عبدالمصطفیٰ الاعظمی

عفی عنہ

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا

جنت میں جنتیوں کو سونے کے کنگن اور موتیوں کے زیور پہنائے جائیں گے

جنّتی زیور

اسلامی مسائل وخصائل کا خزانہ

تالیف

حضرت شیخ الحدیث

علامہ عبدالمصطفےٰ اعظمی مجددی مدظلہ

ناشر

رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جو رسول کی اطاعت کرے تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

نوادرُ الحدیث

چالیس حدیثوں کا ترجمہ اور شرح

المعروف

منتخب حدیثیں

مؤلفہ

حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا عبد المصطفٰے اعظمی صاحب مجددی مدظلہ

رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور (پاکستان)